روحِ اسلام

یا

جیل و اذان

سید حسن آرزو

برادرم اجمل خاں [illegible]
[illegible]
[illegible]

خاکسار
سید حسن آرزو

روح اسلام

یا

جیل و اذان

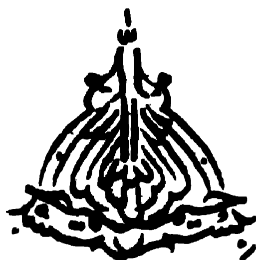


خاکسار

سید حسن آرزو

پھلواری شریف

ضلع، پٹنہ



وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد و آلہٖ و صحبہٖ وسلم

کسی مسئلہ کو غور کرنے یا اس پر اظہار خیال کرتے وقت اگر انسان جذبات سے متاثر ہو۔ تو یہ ظاہر ہے کہ نفس مطلب اور حقیقت پر پہونچنے یا پہونچانے کے بجائے اسکی راہ کھوٹی اور خود وہ منزل مقصود سے دور ہوتا چلا جائیگا۔ دور سیاست میں بالعموم دیکھا گیا ہے کہ ہر مقرر یا محرر اپنی تقریر و تحریر کی گرمیوں سے جذبات میں ہیجان تو پیدا کرتا چلا گیا۔ لیکن اصل حقیقت سے روشناس کرانے میں اسے کوئی کامیابی نصیب نہ ہوئی یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک کا سیاسی پس منظر نہایت تاریک رہا۔ اور جذبات کی گرمی تھوڑی ہی دنوں میں برف کی ٹھنڈک کی طرح سرد نظر آنے لگی۔

میں بھی دوسروں کی طرح اس مرض میں مبتلا تھا۔ ۱۹۲۱ء میری سیاسی زندگی کا دوسرا ہی سال تھا۔ ان دنوں واقعات بھی اس طرح

ضروری گذارش

اس کتاب کا اصلی نام تو "روح اسلام" ہے لیکن چونکہ ملیورجین کے جس واقعہ کا ضمنی تذکرہ
کتاب میں آگیا ہے اسکی نسبت سے دوسرا نام "جیل وارڈن" بھی رکھا گیا تھا۔ آنریبل وزیر
کسانز کے حکم کے سبب کہ اس نام کو آج بھی برقرار رکھنا پڑا ہے۔ لیکن میری اس کتاب
کے لکھنے کی غرض تو یہ تھی کہ مذہب اسلام کی تمام عبادتوں کی اصلی روح اور اس کا
فلسفہ اپنوں اور غیروں کے سامنے لے آؤں۔ تاکہ اپنوں کو مسرت ہو۔ اور وہ اپنی جس دولت
کو کھو رہے ہیں انہیں پھر اس نعمت سے دلی لگاؤ اور روحانی مناسبت پیدا کرادوں
شاید میری یہ کتاب اپنوں کو اپنی جانب کھینچ سکے۔ اور ایک صاف اور سیدھی راہ جسکی انہیں
اس دور میں بھٹکنے کے ساتھ تلاش ہے یہ کتاب ان کو بتا سکے۔ دوسری جانب
ہمارے ہم وطن بھی۔ ہمکو ہمارے مذہب کو اسکی تعلیمات کو یہاں تک کہ اس کی
مخصوص عبادتوں کو جان اور سمجھ سکیں۔ جہالت تعصبانہ روایات۔ رنگا ہوں
کی جھوٹی۔ اور غلط تعلیموں نے۔ جو زہریلے مادے پیدا کر دیے ہیں۔ نفرت و حقارت عداوت
و غصہ کے پیچھے نے چلکر ملک کو جس طرح تباہ و برباد کر ڈالا ہے اسے یہ کتاب ممکن ہے بالکل
دور نہیں تو اس میں کمی پیدا کرے اور دنیا سمجھ سکے کہ مذہب اسلام ہی انسانی امن دوستی
سادگی اور تعلیم مساوات و شرافت نفس میں آپ ہی آپ تلقین کرتا رہا ہے مظلوموں کا دستگیر
و مددگار اور غمخوار رہا ہے۔ چھوٹوں کے حقوق کا محافظ۔ اور دولت و ثروت کا صحیح مصرف
بتاتا رہا ہے۔ وہ انسانوں کی طرح غیروں کا بھی دوست مصیبت اور افتاد میں ان
کا بھی اتنا ہی مددگار جتنا اپنوں کا۔ اور دنیا کی بدترین غلامی کو ... دائمی آزادی
سے بدل دینے والا اور اس کا سب سے بڑا علمبردار ہے
یہ تھی اور آج بھی ہے اس کتاب کے لکھتے وقت میری دلی غرض۔ خدا میرا فرض پورا
کرے اور اپنے بندوں کو اسے پڑھ جانے۔ اور غور کرنے کی توفیق عطا فرمائے (خاکسار آزاد)

ان کے ہاتھوں میں دیدی گئی۔ اس گزرے ہوئے داستان کو دہرانا میرا مقصد نہیں اور نہ آج اسکی کوئی ضرورت ہے۔ لیکن اتنا خیال ضرور پیش نظر ہے کہ عوام مسلمانوں کے علاوہ دوسرے غیر مسلم بھی جو ہمارے ملک کے باشندے ہیں نماز اور اذان کی اہمیت سے واقف ہو جائیں۔

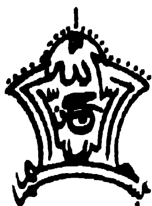
میری دلی دعا ہے کہ ہمارے ملک میں گزرے ہوئے واقعات پھر سامنے نہ آئیں اور حکومت و رعایا کے درمیان صحیح اعتماد اللہ تعالےٰ پیدا کرا دے کہ ہمارے ملک میں امن و امان کا دور دورہ ہو اور میرا وطن عزیز بھی دنیا کے دوسرے متمدن ملکوں کی طرح اقتصادی زندگی میں امتیازی حیثیت پیدا کر سکے۔ فقر و فاقہ نے ہندو مسلم جنگ و جدال کی جو صورت پیدا کر دی ہے وہ اور ہمارے ملک کا سارا فتنہ و فساد جلد سے جلد دور ہو سکے میری یہ کتاب جس خلوص و عقیدت کی بنا پر پہلے بھی "محمود تھی" آج بھی میری عقیدت و خلوص میں کمی کے بجائے اور افزائش ہے اس لئے یہ سمجھ لینا کچھ بھی دشوار نہیں کہ میں پھر اس کتاب کو اسی محبوب نام سے

معنون

کرتا ہوں جو کل ڈاکٹر سید محمود تھے اور آج آنریبل ڈاکٹر سید محمود وزیر تعلیمات بہار ہیں۔

خاکسار
سید حسن آرزو

اِقرار ہے کہ دیر ہوئی اور بہت دیر ہوئی لیکن ایسا ہونا بھی ناگزیر تھا۔
اگرچہ میری یہ کتاب ملکی سیاست سے بالکل علحدہ ایک مذہبی کتاب ہے،
لیکن واقفیت عام کیلئے اتنا اشارہ کردینا ضروری ہے کہ اس کتاب کو
تحریک خلافت کے دَور کے ایک واقعہ سے تھوڑا سا لگاؤ ہے۔ اس دور
میں جن سیاسی لیڈروں کو قیدیں ہوئیں ان میں مرحوم شاہ محمد زبیر صاحب
بیرسٹر بھی تھے۔ آپ بھاگل پور جیل میں سیاسی قیدیوں کی زندگی گزار رہے تھے
کہ۔ ناگہانی طور پر نماز کے سلسلے میں اذان کا ایک واقعہ پیش آگیا۔
کرنل بنات والا اسوقت انسپکٹر جرنل جیل تھے۔ انکی زبان سے اذان
کے متعلق ایک نامہذب جملہ نکل گیا۔ اس میں شبہہ نہیں اس سے مسلمانانِ بہار
کے مذہبی جذبات کو ناقابل برداشت اذیت پہونچی۔ ڈاکٹر سید محمود صاحب
بھی اندنوں بکسر جیل میں تھے۔ اور مَیں کلکتہ خلافت کمیٹی کا انچارج تھا۔
مجھے اس افسوسناک واقعہ کی اطلاع ملی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ چند ہی
دنوں میں ڈاکٹر سید محمود صاحب اپنی میعاد ختم کرکے جیل سے واپس
تشریف لے آئیں گے۔ میں نے نفس مسئلہ اذان اور ڈاکٹر صاحب کے
حسن عقیدہ کی خاطر اس کتاب "جیل اور اذان" کو اتنی جلدی میں
لکھ ڈالا کہ نظر ثانی کا موقع بھی نہ ملا، جس دن ڈاکٹر صاحب بالقاء
جیل سے باہر تشریف لائے یہ کتاب چھپی چھپائی جیل کے پھاٹک ہی پر



دنیا کے مذاہب میں کوئی ایسا مذہب نہیں ملے گا جس کے یہاں عبادت الٰہی کی کوئی نہ کوئی صورت موجود نہو۔ مذہب کی بنیاد اگر ایک طرف انسان کے اخلاقی اصلاحات پر ہے تو دوسری جانب خالق و مخلوق، عبد و معبود کے اس رشتہ کو استوار کرنا بھی ہے جو بدقسمتی سے کسی وقت ٹوٹ گئے ہوں۔ اور جس کے نہ ہونے کے سبب انسانی زندگی تاریک اور فطرت کی ہر بلندی انتہائی پستی میں تبدیل ہو گئی ہو۔ مذہب کی سب سے بڑی غرض اسی اہم مقصد کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ اور اس مقصد کی تکمیل عبادت الٰہی سے ہی ہوا کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ غلام اپنے مولا کے حضور میں جتنا ہی عاجزی جتنی خاکساری اور جتنی نیازمندی کا اظہار کرتا رہیگا، اُسے اُتنا ہی زیادہ اپنے آقا کی قربت، نزدیکی اور حضوری کی

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ ۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ	لازم کیا گیا تم پر بھی روزہ اسی طرح جس طرح تمہارے اگلوں پر لازم کیا گیا تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ ۔ گنے ہوئے چند دن ۔ اور تم میں سے جو بیمار یا سفر میں ہو تو وہ روزہ بعد کے دنوں میں پورا کرے ۔
فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۝	اور جس نے تم میں سے رمضان کا چاند دیکھا پس وہ روزہ رکھے ۔

عبادت کی یہ قسمیں بنیادی دفعہ کی بنیادی تشریحات ہیں یعنی نماز ۔ روزہ ۔ زکوٰۃ ۔ حج ۔ اِنکے علاوہ اور بھی عبادات اور اچھے کام کی اجازت اور رخصت ہے ۔ لیکن یہ چار تو کسی حال میں معاف نہیں کئے جا سکتے ۔ ہاں انہیں جن حالات میں مالکِ قانون نے خود رخصت عنایت فرمائی ہے ۔ وہ اپنی جگہ پر رخصت ہے مثلاً ۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۔ اس فرض کی ادا کاری میں استطاعت شرط ہے ۔

روزۂ رمضان میں فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ نے رخصت مرحمت فرمائی ۔ زکوٰۃ تیسرا فریضہ ہے ۔ اس میں مال اور

عزّت حاصل ہوتی رہے گی۔

دنیا کی ہر بلندی اس کے زیر قدم اور عالم کی ہر نعمت سے وہ مالا مال ہوگا۔ مقدس مذہب اسلام اپنے بنیادی اصول میں اس مقصد کے اندر امتیاز خاص رکھتا ہے، اور پوری طاقت کے ساتھ اس مقصد کو لے کر عالم وجود میں آیا ہے۔ وہ دستور اساسی کے شاندار نظریہ میں اپنے بنیادی اصول کی ہمہ گیر دفعات کی پہلی ہی دفعہ میں پکار دیتا ہے کہ

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ٥	جن اور اِنس کی پیدائش کا مقصد کچھ نہیں، سوائے عبادت کے

اور اس دفعہ کی اتنی سخت پابندی کرتا ہے کہ اسکے غلام زندگی کی آخری سانس میں بھی اس دفعہ کی پابندی سے بے نیاز نہیں ہو سکتے یہاں عبادت کی اجمالی صورت بیان کردی گئی ہے۔ لیکن تشریح اُسکے ضمنی دفعات میں بیان کی گئی ہے۔ مثلاً :-

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ٥	نماز پڑھو۔ زکوٰۃ ادا کرو اور جو کچھ تم اپنی ذات کے لئے جمع کر چکے۔ اُس سے بہتر تم اللہ کے نزدیک پاؤ گے۔
وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ٥	اور اللہ کے لئے انسانوں پر بیت اللہ کا حج ہے جسے راستہ کی استطاعت ہو۔

لیکن جیسے ہی آفتاب نے مغرب کے جانب منہ چھپا لیا آپ کو کھانے پینے کی ہر طرح کی آزادی مل گئی۔ عقل و فطرت کو لیجئے تو آپ طبی اصول پر جانچ لیجئے کہ ایک مہینہ صرف دن کا یہ فاقہ رطوبات فاسدہ کو جو گیارہ مہینوں میں جسم کے اندر پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور جس سے طرح طرح کے عوارض پیدا ہو سکتے ہیں۔ کتنا مفید اور جاذب رطوبت ہے۔ فطرت کا تقاضا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے فکر و غم، مصیبت، بھوک اور پریشانیوں کا اندازہ کرے۔ دنیا کے دولتمند غریبوں اور مصیبت زدوں کی بھوک و پیاس کا اندازہ کیا جانیں۔ لیکن روزہ ہی وہ ایک فلسفیانہ عبادت ہے جو امراء اور رؤسا کیا، شاہان عالم کو اس بھوک اور پیاس کی تکالیف کا اندازہ بخوبی کرا دیتا ہے۔ اور جو بات ہزاروں پریشانیوں، لاکھوں کوششوں اور مشکلوں سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ وہ صرف ایک ماہ کے روزہ کے بدولت حاصل ہو جایا کرتی ہے۔ اللہ اللہ روزہ کی فرضیت والی آیتہ کو پڑھئے اور اس پر غور کیجئے تو ساری حقیقت آپ پر واضح ہو جائیگی۔ اس فصاحت و بلاغت کے قربان ایک جملے میں وہ معنی پیدا کر دیئے جو حد بیان سے باہر ہے۔ فرماتا ہے:۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝	پھر لکھدیا گیا تم سے پہلے والوں کی طرح روزہ تاکہ تم متقی بنجاؤ۔

صاحب نصاب کی شرط لگائی گئی ہے، لیکن بلا شرط رخصت جو فرض عبادت قرار دی گئی۔ اور جسمیں کوئی بڑی سے بڑی مجبوری بھی رخصت نہیں دلا سکتی وہ عبادت صرف نماز ہے جسے دن اور رات کے پانچ وقتوں میں اپنے وقت پر ادا کرنا بہر حال لازمی اور ناقابل معافی ہے۔ اسلام ایک ایسا صاف اور سادہ مذہب ہے جو الفاظ کے گورکھ دھندھاریوں میں لوگوں کو بالکل نہیں رکھتا، اپنا ہر حکم کھلے کھلے اور صاف صاف لفظوں میں بیان کر دیتا ہے جس کی تفسیر و تشریح کے لئے نہ تو کسی لغت اور نہ بڑے معلّم نہ پوپ و پنڈت کی حاجت ہے۔ تھوڑے سے علم والا انسان اسلامی قانون کے مطالب کو سمجھ لینے پر قادر ہو سکتا ہے۔ اور اگر ذرا غور و فکر سے کام لینے والا انسان کام لے تو اس سادگی کے اندر عقل و فطرت کی بھی نمایاں مطابقت نظر آئیگی۔ اب دیکھئے کہ عبادت الٰہی کے یہ چار فریضے کتنے سادے کتنے آسان، اور عقل و فطرت سے کس درجہ مطابقت رکھنے والے ہیں۔

روزہ کو لیجئے سال کے بارہ مہینوں میں ایک مہینہ اسلئے مقرر فرمایا کہ سارے مسلمان اللہ کے نام پر دن بھر بھوکے رہیں۔ سادگی تو اس سے ظاہر ہے کہ اس عبادت میں نہ تو کوئی تکلف ہے، نہ پریشانی، غریب، امیر، شاہ و گدا برابر برابر اللہ کے نام پر بھوکے نظر آتے ہیں۔ آسانی یہ ہے کہ طلوع آفتاب سے لیکر غروب آفتاب تک نفس پر جبر کئے رہے۔

پاک فرمانا چاہتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یوں سمجھئے کہ انسان طبعًا مال و دولت کے جمع کرنے کا لالچی ہوا کرتا ہے۔ اور دولت کے جمع کرنے کا دو ہی نتیجہ ہو سکتا ہے۔ یا تو جمع کرنے والے کو اپنی دولت کی محبت اتنی غالب آجائے کہ وہ بخل کے آخری حد کو پہونچ جائے۔ اُسے نہ اپنی نہ اپنی جان کی فکر ہو، نہ اپنی اولاد و اہل خانہ کی پرواہ۔ وہ کسی بڑے سے بڑے کام پر بھی ایک پیسہ خرچ کرنا نہ چاہے گا۔ بخل کی یہ کمینگی اُسے تنگ ظرف، بے شرم، بے غیرت، بے حیا بنا دیگی۔ سوائے مال کے سارے فرائض۔ ہمدردی انسانی، اور دنیا کی ساری اچھائی کے احساس سے محروم ہو جائیگا۔ میری اس زندگی میں میری آنکھوں کے سامنے ایسی افسوسناک مثالیں آچکیں ہیں۔ میں نے تو یہاں تک دیکھا ہے کہ بعض کنجوسوں کے پاس بیٹھنا ناممکن ہو گیا ہے۔ کہ ان کے جسم کی بدبو سے دماغ پھٹنے لگتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ مال و دولت کے نشہ میں چور ہو کر غرور مجسم نظر آنے لگے۔ کمزوروں، ضعیفوں کو ستانے میں انہیں ایک خاص لذت ملتی۔ عیاشی، نشہ خواری انکا امتیازی نشان ہو جاتا ہے۔ وہ دولت کے غرور میں اتنے بے پرواہ ہو جاتے ہیں کہ نہ خدا کا خوف باقی رہتا ہے اور نہ ملکی قانون کا ڈر۔ وہ بے نیازی کی شان میں اپنے محکوموں کے خون تک سے باز نہیں آسکتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ

سبحان اللہ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کو غور کیجئے اِتّقاء کے معنی کو سمجھئے مغروروں، سرکشوں اور دولت کے بدمستوں کی زندگی پر نظر ڈالئے بھوکوں اور پیاسوں کے بھوک و پیاس کی مصیبت کا اندازہ کیجئے اور اس کے بعد روزہ کے فلسفیانہ نتیجہ اتقاء کو پیش نظر رکھئے۔ کیا اس کے بعد بھی عقل و فطرت کا کوئی سوال باقی رہجاتا ہے؟

اچھا آئیے اسی میزان پر ذرا حج وزکوٰۃ کو بھی تولتے ہی جائیے۔ قرآن کریم میں نماز اور حج وزکوٰۃ کی فرضیت کا حکم تقریباً ۲۳ جگہوں میں بیان فرمایا گیا ہے۔ ان میں کسی کسی جگہ ان دونوں کے فوائد کا بھی تذکرہ کردیا گیا ہے۔ مثلاً فرمایا گیا۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ پارہ گیارہ	اے رسولؐ انکے مالوں میں سے صدقہ لیا کیجئے تاکہ ان میں طہارت اور صفائی پیدا ہو
اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ	تحقیق کے نماز فحش اور برائیوں کو روک دیتی ہے۔

دُنیا میں ساری برائیوں کی بنیاد ہی گندگیوں اور نجاستوں پر ہے اگر انسان ہر طرح کی گندگیوں سے خود بخود کراہت کرنے لگے تو خود اُسکی فطرت اصلاح حال کے لئے کافی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا فضل و کرم ہے کہ وہ ہمیں ہمارے جسم و جان اور ہمارے مال کو ساری گندگیوں سے

آہ! آج مسلمانوں میں اس فرض کی ادا کاری کا احساس ہوتا، تو دنیا دیکھتی کہ ہماری پوری قوم۔ فقر و فاقہ، فقیری و گداگری کی ذلت و رسوائی سے آزاد ہے، اور مساوات کی دھوم مچانیوالے دنیا کے سامنے مثال کے طور پر میری پوری برادری کو پیش کرتے۔ آج مسلمان اُمراء کے کتنے خاندان اسی قرض کی بدولت تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔ جن کے دروازوں پر نعالے پر چوب پڑا کرتی تھی۔ آج اُن کے گھروں کا نام و نشان نہیں، کتنے مقروض مسلمانوں کو سول جیل کی ذلت اٹھانی پڑی اور پڑتی چلی جارہی ہے۔ اگر مسلمان آج بھی صدقات واجبہ کے عادی ہوتے تو بتائیے کیا انکی دولت اسی زکوٰۃ کی بدولت محفوظ نہ ہوتی۔؟

آج دنیا میں جتنے آسمانی مذاہب گنے جاتے ہیں۔ انکی صورتوں میں چاہے جتنی بھی تبدیلیاں ہوگئی ہوں، لیکن انکی صداقت سے کس کو انکار ہوسکتا ہے۔ مگر یہ بھی تسلیم ہی کرنا پڑیگا کہ دوسرے مذاہب کی ضرورتیں اور انکی تبلیغ مخصوص دائرہ میں محدود تھیں۔ اور یہ بالکل عین فطرت ہے، مذاہب کا وجود وقتی ضرورتوں سے کسی خاص نقص کی اصلاح، کسی خاص ضرورت کی تکمیل کسی مخصوص قوم کی ہدایت رہا کی تھی۔ لیکن میں بغیر مقابلہ اس کھلی اور بدیہی حقیقت کو سامنے لانے میں کوئی جھجک نہیں محسوس کرتا۔ کہ مقدس مذہب اسلام کی ابتدائی دعوت ہی عام تھی۔ اور اسکی تبلیغ ملک قوم کی

انکی دولت کا چھوٹا سا سرمایا ملکی قانوں کی خریداری میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرسکتا۔ کیا ہندوستان میں ایسی بیسوں مثالیں موجود نہیں ؟ وہ بزعم خود فضول خرچیوں کا نام سخاوت رکھ لیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ اسراف کو پسند نہیں فرماتا۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ | بیشک خدا مسرفوں کو دوست نہیں رکھتا۔

یہاں تو ہر چیز، ہر کام اعتدال کے اندر محدود کر دیگئی ہے۔ اسی کے ساتھ پہلے اور آج کے ملکی حالت کو بھی جانچتے چلئے اور اس زکوٰۃ کے مصارف کو قرآن کی زبان سے بھی سن لیجئے۔ کیا کسی کو اس حقیقت سے انکار ہے کہ میرا ملک دنیا کے ملکوں میں سب سے زیادہ غریب، نادار، مفلس ہے۔ بالخصوص اس کے اندر بسنے والی مسلم قوم کے افلاس و ناداری اور تنگدستی کا کوئی ٹھکانا بھی ہے۔ اب ذرا مصارف زکوٰۃ کو دیکھئے اور موازنہ کیجئے کہ اللہ پاک کے اس قانون کو فطرت، عقل، رحم، کرم، سے کتنا گہرا تعلق ہے فرماتا ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْہَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُہُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغَارِمِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَابْنِ السَّبِیْلِ | صدقہ تو صرف فقیروں، محتاجوں اور انکے لئے ہے جو وصول کرنیوالے ہیں اور جنکی تالیف قلب کیجائے غلاموں کو آزاد کرانے، قرضداروں کو قرض سے سبکدوشی دلانے، اور اللہ پاک کی راہ میں خرچ کرنے اور ایسے مسافروں کی جو غربت میں وطن سے دور کوئی سامان نہ رکھتے ہوں، خرچ کرنے کے لیے ہیں

چوتھی مگر سب سے بڑی اور پہلی عبادت نماز ہے، جسکی تاکیدی تکرار مکمل قانون الٰہی کے متعدد دفعات میں ہوتی چلی آئی ہے۔ اور جسکی پابندی بلا کسی عذر و شرط زندگی کی آخری سانس تک واجب اور ناقابل معافی ہے آئیے ذرا اسکو بھی عقل و فطرت کے میزان پر تولتے چلیئے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نماز سب سے پہلی عبادت ہے جو مسلمانوں پر فرض کی گئی۔ لیکن میں نے اپنے بیان کے ترتیب میں اسکو سب سے آخر اسلیئے کیا ہے کہ میری کتاب کا سارا موضوع **اذان** ہے اور اذان کا نماز سے خاص تعلق ہے۔ سلسلۂ کلام کے خاطر مجھے پہلی عبادت کو سب سے آخر میں بیان کرنا پڑا۔

نماز کا مذہبی پہلو میں اوپر بیان کر آیا ہوں کہ نماز وہ اہم ترین عبادت ہے جسکی تاکید قرآن کریم کے اندر ۲۳ جگہوں میں کیگئی ہے۔ ساری آیتوں کو بیان کرنے سے مضمون کے اندر طوالت ہے اس لیے چند مشہور آیتیں لکھدینا کافی سمجھتا ہوں۔

وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ بقرہ	ہم نے عہد لیا ابراہیم و اسمعیل سے کہ میرے گھر کو طواف کرنے اور سجدہ کرنیوالو کے لئے پاک و صاف رکھو۔
حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ بقرہ ۳۰	مسلمانوں حفاظت کرو ہر نماز کی بالخصوص بیچ والی نماز کی اور اللہ کے لئے کھڑے ہونیوالے سے مل کر کھڑا ہوا کرو۔

محدود چہار دیواری سے بہت ہی الگ، عام بنی نوع انسان ہر قوم و
ملت، ہر زمین اور ہر آب و ہوا میں بسنے والی قوم بنی آدم کے لئے تھی
اور آج تک اس کا صلائے عام ہے۔ پھر ایک ایسا مذہب جو اپنی
ہمہ گیری میں اتنا بلند ہو۔ یہ کیونکر برداشت کر سکتا تھا۔ کہ اس کے حلقہ بگوش
ایک دوسرے سے نا آشنا۔ ایک دوسرے سے بے پرواہ، ایک دوسرے سے
بے نیاز ہوں۔ اس لئے زمین کا ایسا مرکز بنا لیا جہاں قدرت کے
لاکھوں اور تاریخ کے کروڑوں اوراق مدفون ہیں۔ جہاں طلوع آفتاب سے
غروب آفتاب کے بسنے والے مسلمان کم از کم سال میں ایک بار اکٹھے
ہو کر باہمی اخوت اور روحانی تعلقات کا مظاہرہ کر سکیں۔ اور ہفت اقلیم کا
بادشاہ یہ جان لے کہ ایک بڑی سرکار ایسی بھی ہے جہاں اسے بھی
غریبوں، مسکینوں، محتاجوں کی طرح ننگے سر، کھلے بدن اپنی غلامی
اور عاجزی کا اظہار کرنا ہے۔ اور اگر وہ کھلے بدن ہو نہیں خود کوئی تکلیف محسوس
کر رہا ہے تو اسکی وہ غریب رعایا جس کا اُسنے خون چوس کر اس قابل بھی نہیں
رکھا ہے کہ وہ اپنے جسم کو میلے کپڑوں سے ہی ڈھانک سکے۔ کیا گزرتی ہوگی۔ کیا
صبر و تحمل، ایثار و قربانی، اصلاح امت تبلیغ مساوات کیلئے اس سے
بہتر عقل و فطرت کے مطابق کوئی قانون بھی دنیا ہمارے سامنے پیش
کر سکتی ہے۔؟ یہ ہے حج اور اس کی اصل غرض

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ	اور نماز پڑھا کرسورج کے ڈھلنے کے وقت سے
اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ	رات کی تاریکی تک اور صبح کی نماز بھی
اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ (بنی اسرائیل)	ٹھیک صبح کی حاضری کا وقت ہے ،،
وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا	اور جب نماز پڑھا کیجئے تو نہ بہت چیخ کر اور
تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ	نہ بالکل آہستہ، بلکہ درمیانی طریقہ سے۔ اور کہہ کیجئے
سَبِيْلًا ۝ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ	کہ ساری تعریف تو اللہ ہی کیلئے ہے جو نہ اولاد رکھتا ہے
لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ	اور نہ اسکی بادشاہی میں کوئی شریک ہے۔ نہ
شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ	اسمیں کسی طرح کی کمزوری ہے کہ اس کا کوئی بھی مددگار ہو
وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ	وہ اس سے بالکل پاک اور اصلی طاقت والا ہے۔ اپ
تَكْبِيْرًا ۝ بنی اسرائیل ۱۲	اسکی بڑائی سب بڑائی سے بڑھکر کیا کیجئے۔
وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِكْرِيْ ۝ طٰہٰ	اور نماز پڑھا کیجئے میری عبادت کے لئے۔
وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوۃِ	اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دیجئے۔

ان آیتوں سے نماز کی مذہبی فرضیت اور اسکی تاکید اور اس کی فرضیت کا اہم ترین پہلو آپ کے سامنے آگیا۔ اور آپ اتنا تو ضرور سمجھ گئے ہونگے کہ عبادت میں نماز کو جو شرف وخصوصیت ہے۔ وہ دوسری عبادات کو نہیں ہے۔ مسلمان اگر آج اپنی بدقسمتی سے اس اہم فریضہ کو ادا کرنے سے کوتاہی کرتے ہوں۔ یا اپنی غفلتوں اور

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۔ نسا (۱۴)	پھر جب تم اس نماز کو ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگ جاؤ۔ کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے بھی۔ پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو قاعدے کے موافق پڑھنے لگو۔ یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے۔
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۔ مائدہ (۱)	مسلمانوں جب نماز پڑھنے لگو تو پہلے اپنے منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں دھو لیا کرو۔
قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۔ اعراف	کہدو میرے پروردگار نے مجھے اعتدال کا حکم فرمایا اور نماز پڑھتے وقت اپنے منہ کو (قبلہ کی طرف) سیدھا رکھو اور مخلص بندے کی طرح دین کے ہر کاموں میں اُسی کو پکارو "
وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۔ اعراف ۲	اور نماز قائم کرو صبح شام اور ابتدائے رات کے وقت بیشک نیکیاں دور کر دیتی ہیں برائیوں کو۔ یہ بڑی نصیحت ہے اللہ کا ذکر کرتے رہنے والوں کے لئے۔

امتیازی حیثیت نہیں دی جاتی تھی۔ لیکن خود عیسائیت کے اندر بھی جماعتی تنظیم کی کوئی شرافت باقی نہیں رہی تھی انکے نفرت وحقارت کا یہ زہریلا مادہ اور اس کے جراثیم ساری دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ہی اور کالے گورے کا شرمناک تفرقہ اور رنگ وروپ اور حاکم ومحکوم کے افسوسناک امتیاز نے ساری دنیا کے اندر انتقامی جذبہ پیدا ہی کر رکھا تھا۔ لیکن عیسائیت کے ماننے والے اس مرض میں سب سے زیادہ مبتلا نظر آتے تھے۔ جس نے بنی نوع انسان کی زندگی کی تباہی اور آبروریزی کے ساتھ ساتھ خود ان شیخی مارنیوالوں کے اندر ظاہری اور باطنی کمزوریاں پیدا کر دیں تھیں

اسلام اپنی حکیمانہ نظریہ کو لیکر دنیا کے سامنے آیا اور اس نے لازمی طور پر سارے تفرقہ اور اس امتیازی حیثیت کو مٹا کر ایک دوسرے کے دوش بدوش کھڑا کر دیا۔ اور یہ اُسکی اتنی مضبوط اسلامی تنظیم تھی کہ تقریباً چودہ سو سال گزر جانیکے باوجود اس کے اس محاذ کے کسی گوشہ پر بھی دشمن کا کوئی حملہ نہ ہو سکا۔ اور میں تو کہتا ہوں کہ باوجودیکہ آج ہم میں اسلام کی وہ روح موجود نہیں ہے۔ پھر بھی خدائے قدوس نے جبتک ہماری مسجدیں قائم رکھی ہیں۔ ہماری اس جماعتی تنظیم پر کسی دشمن کا کوئی حملہ نہیں ہو سکتا۔ نماز کے اندر جتنی باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے اُن میں جسم اور لباس کی طہارت کے ساتھ ساتھ اوقات معینہ پر

جہالت سے بے پرواہ اور غافل ہو رہے ہیں تو اس سے مذہبی فریضہ کی اہمیت میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوسکتی۔ اور یہ بالکل واجب ہے کہ ہر بے نمازی مسلمان اللہ تعالیٰ کے جلال و غضب اور ناقابل برداشت سزا کا مستحق ہو۔

نماز کا اجتماعی پہلو

ہر وہ قوم جو گری حالت سے اوپر اٹھنے اور پستی سے بلندی کی جانب جانیکی کوشش کرتی ہے سب سے پہلے انفرادی زندگی کے بجائے اجتماعی زندگی کو مقصد اوّل قرار دیتی ہے۔ انفرادی طور پر ذلیل سے ذلیل گری سے گری قوم میں بھی دوچار شائستہ، دوچار متمدن، دوچار دولتمند افراد مل ہی جائیں گے۔ لیکن ان دوچار کا نام قوم نہیں ہوتا۔ جس طرح اچھی سے اچھی اور ترقی یافتہ قوم کے دوچار افراد چور ڈاکو یا ہر طرح کے شیطنت میں مبتلا نظر آنے کے باوجود پوری قوم کو چور یا ڈاکو نہیں کہا جاسکتا۔

اگلے ادیان میں بھی اس اجمالی اور جماعتی تنظیم کا پتہ چلتا ہے۔ مذہب اسلام کی ایک ایسے دور میں ابتدا ہوئی ہے جب قومی نظم اور جماعتی تنظیم کلیتہً مفقود ہو چکی تھی، عرب ہی نہیں ساری دنیا عام طور پر انتشار اور پراگندہ زندگی کی مصیبت میں مبتلا تھی۔ یہ تو تھا کہ قبائل کی آپس میں ڈگیم اور عیسائیت اور یہودیت کے نام پہ غیر عیسائی اور یہودی کو کوئی

مزدوری کرنا ہی پڑتی ہے۔ اس لئے ان کا پانچ وقتوں میں ہر بار حاضر ہو کر نماز باجماعت ادا کرنا۔ غیر فطری تکلیف اور انسانیت پر بار عظیم ہو جاتا ——
اللہ تعالیٰ نے جو دین و دنیا کے تمامی معاملات میں آسانی پیدا کرنا پسند فرماتا ہے۔ جماعت کے اس عین فطرت مقصد میں بھی آسانی فرما دی۔ اور ہفتہ کا ایک دن جمعہ کو تعمیل مقصد کے لئے خاص طور پر منتخب فرمایا۔ تاکہ کم از کم ایک شہر اور اس کے محلوں کے مسلمان اکٹھے ہو کر کم از کم ایک ہی وقت نماز باجماعت ادا کر سکیں اور پورے شہر کے مسلمان ہفتے کا ہفتہ آپس میں ملتے جلتے رہیں۔
قرآن نے حکم دیا یاایّھا الذین آمنوا اذا نُودِیَ لِلصّلوٰۃِ مِن یَّومِ الجُمُعَۃِ فاسعَوا الی ذِکرِ اللہِ وَذَرُوا البیع، ذٰلکم خیر لکم اِن کُنتُم تَعلَمُونَ o "اے ایمان والو نماز جمعہ کی جب اذان ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے دوڑو اور خرید و فروخت سے رُک جاؤ۔ یہ تمہارے حق میں بہت ہی بہتر ہے کاش اگر تم سمجھتے۔" اس آیۃ ذٰلِکُم خَیرٌ لَّکُم کا ٹکڑا اپنے وسعتِ معنی میں کتنی بلندی رکھتا ہے اس سے پوچھو جو قرآن کے سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ علاوہ پانچ وقتوں کے نماز کی اجتماعی شان گو مختصر مگر جمعہ کے اس اجتماع سے ظاہر ہو رہی ہے۔

لیکن اس سے بھی بڑی ایک اور اجتماعی شان ہے جسے آپ آگے ملاحظہ کریں گے۔

نماز پڑھنا اور ہر نماز کو اکیلے کے بجائے جماعت کیساتھ ادا کرنا بھی ضروری ہے قرآن میں ہے قُومُوا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ نماز کے لئے کھڑے ہو تو دوسرے کھڑے ہونیوالو سے ملکر کھڑے ہو۔ وَارْکَعُوا مَعَ الرّٰاکِعِیْنَ رکوع کرو تو دوسرے رکوع کرنیوالوں کے ساتھ رکوع کرو۔ اور وَعَهِدْنَا اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّائِفِیْنَ وَالْعٰکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ اور ہم نے ابراہیم واسمعیل سے وعدہ لیا کہ میرے گھر کو طواف اور رکوع اور سجدہ کرنیوالوں کے لئے پاک وصاف رکھیں۔

دین اسلام، دین ابراہیمی ہے، اس لئے حضرت ابراہیمؑ کا ہر وعدہ وعدۂ محمدیؐ ہے۔ اس لئے اس کی پابندی بھی بالواسطہ غلامان محمدؐ پر واجب ہے۔ یہ اور اس طرح کی اور آیتیں نماز باجماعت کے حکم میں موجود ہیں۔ وَارْکَعُوا مَعَ الرّٰاکِعِیْنَ میں جماعت سے نماز کی تعمیل حکم بھی ہے۔ ثواب عبادت بھی ہے۔ تنظیم جماعت بھی ہے۔ اور تعلیم درجہ مساوات بھی ہے، اس کو ذرا پھیلا کر اور بھی سن لیجئے۔

نماز جمعہ دن اور رات کے پانچ وقتوں میں کسی شہر یا کسی قصبہ کے تمام مسلمانوں کا برابر اکٹھا ہونا ذرا ناممکن سی بات تھی۔ اس لئے کہ انسانی زندگی کا یہ بھی تقاضا ہے کہ وہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات اور کفالت کو اپنے اوپر واجب سمجھے۔ اس کے لئے اُسے محنت و

یہ آیتہ نمازِ عید سے متعلق ہے۔ صدقۂ فطر ادا کرنے سے روحانی پاکی نصیب ہوئی۔ اور عیدگاہ جاتے وقت آہستہ جو تکبیر اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ پکاری گئی اس کے ذریعے اللہ کی خوشنودی حاصل کی۔ اور دو رکعت نماز تکبیر زائد کے ساتھ ادا کی گئی اللہ تعالیٰ کی اس سے رضامندی حاصل ہوئی۔ اِسی طرح عید اضحیٰ کی نماز ہے۔ جو مسلمانوں کی دوسری شادمانی اور تاریخی تہوار کا دن ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اس دن مسلمان نمازیں ادا کرتے ہیں، تکبیریں باآواز بلند کہتے ہیں اور خدا کی راہ میں اسی کے نام پر قربانیاں کرتے ہیں۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے۔ جس کا گوشت خود کھائیے۔ اور مسکینوں، غریبوں، یتیموں ہمسایوں اور مفلسوں کو کھلائیے۔

ان دونوں تہواروں میں مسلمانوں کی اجتماعی شان بہت نمایاں ہو جاتی ہے محلہ، شہر اور جوار کے گاؤں والے تمام مسلمان ایک کھلے میدان میں صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس عطر و خوشبو لگائے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی نیازمندی اور عاجزی کا اظہار کرنے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اس طرح مسلمان اس جماعتی مظاہرہ کے ساتھ ساتھ جماعتی قوت و طاقت کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں۔ اس مظاہرہ کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ جس راستہ سے مسلمان عیدگاہ کو گئے ہوں گھر کی واپسی اُسی جماعتی شان کے ساتھ دوسرے

عیدین کی نماز

اصلاح کا وہ مقصد عام جو اس اجماع امت میں مخفی تھا۔ وہ دن اور رات کے مسلسل اجتماع میں پورا نہ ہونیکے سبب ہفتہ کا ایک دن تھوڑی وسعت کے ساتھ مظاہرہ اجتماعی کے لئے مقرر کیا گیا۔ پھر بھی وہ محدود ہی تھا۔ اس لئے اسکو اور بھی پھیلا دیا گیا۔ ماہ صیام کے تیس دنوں کے روزے سے جو تکان اور خشکی مسلمانوں کے اندر پیدا ہو سکتی تھی۔ اسکو دور کرنے کے لئے ایک دن تہوار کا مقرر کر دیا گیا۔ تاکہ خوشی اور شادمانی کے ذریعہ مسلمان اپنی گزری صعوبت اور بھوک پیاس کو بھول جائیں۔ اور انکے دلوں میں تہوار کی یہ خوشی مسرت اور شادمانی کی امنگیں اور بلند حوصلگی پیدا کر دے۔ لیکن اسکے لئے یہ ضروری تھا کہ اس دن مسلمانوں کا ایک فرد بھی بھوکا پیاسا نہ رہنے پائے۔ اسی لئے روزہ جیسی عبادت اس دن حرام قرار پائی۔ اگر نئے کپڑے موجود نہوں تو پرانے ہی کپڑوں کو دھو دھلا کر صاف کر لیا اور ہر کھاتا پیتا مسلمان صبح کی نماز کے بعد ہی غریب، نادار، اور مفلس مسلمان کے لئے اپنے اپنے گھروں سے اجناس کی قسم میں فطرہ نکال ڈالے تاکہ ہر مسلمان عیدگاہوں میں جانے سے پہلے کچھ کھا پی لے۔ اور عید فطر کی خوشی، بھوک اور پیاس کی بدولت غم و فکر سے نہ بدلنے پائے۔

قرآن میں فرمایا گیا قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى وَ ذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى

بامراد ہوا وہ جو پاک ہوا اور اپنے رب کا نام لیا اور نماز پڑھتا رہا۔

غصہ کی یہ حرارت انسانیت کا ایک مفید جوہر بھی ہے۔ لیکن اسکی زیادتی اور بے محل استعمال ظاہر ہے کہ لاکھوں برائیوں اور ہزاروں خرابیوں کی باعث ہوا کرتی ہیں۔ غصہ اگر اعتدال کی حد سے گزر جائے تو قتل و خونریزی اور بدترین بداخلاقیوں کا سبب ہوگا۔ اسلام ایک ایسا حکیمانہ مذہب ہے جسکی گہری نظر فطرت کے ہر چیزوں پر پڑ چکی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ مسلمانوں میں بھی غیظ و غضب والے انسانوں کی کمی نہ ہوگی۔ اور یہی انفرادی غصہ آگے چلکر جماعتی نظام کے لئے خطرناک ہوگا۔ اس لئے اصلاحًا تو یہ فرمایا گیا۔

الْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ

اللہ تعالیٰ کے نیک بندے وہ ہیں جو غصہ کو پی جاتے ہیں، انسانوں کے قصور معاف کردیتے ہیں اور اللہ پاک احسان کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور عملاً نماز کے لئے دن رات میں پانچ بار اکٹھے ہو کر نماز باجماعت کا حکم دیا۔ ظاہر ہے کہ اگر دو لڑنیوالے اپنے دلوں میں رنج و غصہ رکھنے کہ باوجود روزانہ پانچ بار ملتے رہے تو انکا یہ ملنا ہی انکے سارے غصّے کو کافور کردینے کے لئے کافی ہے، اظہار ملال کی سب سے بڑی صورت آپس میں صاحب سلامت اور بول چال کا ترک ہوجانا ہے لیکن یہ ممکن بھی ہے کہ چند انسان روزانہ پانچ بار ملتے بھی رہیں اور انکے درمیان سلام و پیام کا موقع نہ آنے پائے؟ بتلائیے اصلاح اُمت کے لئے اس سے بہتر عملی صورت کوئی دوسری ہوسکتی ہے؟ مسلمانوں کو

راستے سے ہونی چاہئے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں نے آج اپنی ساری خوبیوں کو
بھلا رکھا ہے۔ رسموں کی پابندیوں کا حال تو نہ پوچھئے۔ اگر عید کے دن انکے
پاس اچھے اور نئے کپڑے نہوں تو نماز کے لئے عیدگاہ ہی نہ جائیں گے۔
قرض لیں گے، سود دیں گے، مگر عید کے دن نئے کپڑوں کا ہونا۔ گھروں
میں سویوں کا پکنا ضروری ہوگا۔ لیکن عیدین کی تکبیر، جماعتی تنظیم اور اسکے
مظاہرے کی نہ انکو پرواہ اور نہ کوئی ذہنی لگاؤ۔ باپ داداؤں نے
ان دنوں کو تہوار کہا ہے۔ انہیں کی سنت سمجھ کر میدان پہونچ گئے
ٹکریں لگادیں اور خطبے کی پرواہ کئے بغیر گھروں کو واپس لوٹ آئے۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٥

نماز کا اخلاقی اور اصلاحی پہلو

فطرت انسانی پر نگاہ رکھنے والوں کو اس کا بخوبی اندازہ ہوگا کہ انسان کے
تخلیقی نظام میں جہاں لاکھوں خوبیاں اور اچھائی پائی جاتی ہیں کچھ ایسے
سامان بھی موجود ہیں۔ جن سے انسانی وجود میں صفت بہیمی اور جانوروں
کی سی بے عقلی کی شان نظر آجاتی ہیں۔ آپ اپنی طرح دوسروں کو بھی کبھی
کبھی غصہ کرتے دیکھ چکے ہونگے۔ اور غیظ و غضب کو اعتدال کی حد سے
گزر جاتے ہوئے بھی آپ ملاحظہ کر چکے ہونگے۔ غصہ کا یہ عنصر درحقیقت
اسی صفت بہیمی کا نتیجہ ہے۔ جو اس کی فطرت میں داخل کر دیگئی ہے۔ اگرچہ

اگر کوئی قوم جماعتی اثر و اقتدار میں ناکامیاب ہو تو اس قوم کا عدم و وجود برابر ہی ہوگا۔ اجتماعی زندگی میں جو خلوص و محبت اور مساوات، رواداری پیدا ہوجایا کرتی ہے۔ اسی کی روحانی طاقت اور اسکا اثر دوسرے اقوام پر پڑا کرتا ہے اور اس اثر کا نتیجہ قوم و جماعت کے آگے بڑھنے، ترقی کرنے، اخلاقی قوت حاصل کرنے اور اسکو وُسعت دینے میں حاصل ہوتا ہے۔ جس قوم کی اجتماعی زندگی کمزور ہوا کرتی ہے وہ روز بروز پستی میں گرتی جاتی ہے۔ اوران میں باہمی تنازعات کا دروازہ کھُل جاتا ہے۔ رحم کی جگہ شقاوت محبّت کی جگہ عداوت بغض و حسد لے لیتی ہے اور اس کا آخری نتیجہ قوم کی تباہی ہوا کرتا ہے۔ اسی کی طرف قرآن کریم کا اشارہ ہے۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ

مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ تم پست ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی۔

نماز کے اندر عسکری تنظیم

مذہبی کتابوں اور امم سابقہ کے تاریخی حالات ہمیں بتلاتے ہیں کہ دنیا کے سارے مذاہب مخصوص ضرورتوں اور مخصوص اصلاحات کے لئے عالم وجود میں آتے رہے۔ اسی لئے انکی تبلیغ و ہدایت بھی محدود جماعت اور محدود طبقہ ارض پر ہوتی رہی۔ انبیاء سلف اور روحانی پیشواؤں نے جس ملکی ضرورت کے

کہا گیا کہ بلا تفریق رنگ روپ ہر مسلمان آپس میں بھائی ہے۔ بھائیوں میں
اگر عداوت و نفرت بغض جنگ و جدال ہی ہوا کرے تو اس برادری کی حیثیت
ہی کیا باقی رہے، اور برادرانہ لطف زندگی کا کہیں پتہ بھی ہو۔ اس لئے
اس لطف اخوت کو قائم رکھنے اور اس کے اندر بے انتہا قوت پیدا
کرنے اور اس کا شاندار مظاہرہ دیکھنے اور اُسکے مفید نتائج کو سامنے
لانے کے لئے سب سے بڑی اور سب سے پہلی عبادت ہی میں جماعتی نظم پیدا
کردیا گیا۔ اگر یہ منشا نہ ہوتا تو نہ مسجدوں کی ضرورت ہوتی اور نہ
عبادت خانوں کی۔ جماعت کے اندر اگر اتنی مفید اصلاحات اور اخلاقی تعلیم
روپوش نہ ہوتی تو۔ مسلمانوں کا ہر فرد اپنے اپنے گھروں میں ہی نماز جیسی عبادت
کو ادا کرلینے میں آزاد ہوتا۔ آخر دوسری عبادتیں بھی تو ہیں جنہیں ہر
مسلمان الگ الگ ادا ہی کرلیتا ہے۔ اور اس کے اجر کا مستحق بھی ہو جاتا ہے
لیکن نماز میں تو جماعتی تنظیم، اخلاقی اصلاحات کا پہلو مخفی تھا۔ اس لئے
مسجدوں میں نماز ادا کرنے کا تاکیدی حکم دیا گیا۔ حدیثوں میں اس نماز
با جماعت کی تو اتنی زیادہ تاکید آئی ہے کہ اسکو غور کرنے کے بعد گویا انفرادی نماز
نماز ہی نہیں معلوم ہوتی ۔ انشاء اللہ تعالیٰ اذان کی بحث میں کچھ حدیثیں
لکھوں گا۔ اجتماعی زندگی کا سب سے شاندار پہلو یہ بھی ہے کہ دوسروں پر
اس جماعت کا ظاہری اور باطنی اثر و اقتدار قائم ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ

ہوا کرتی ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا تبلیغی مشن بھی مختصر پیمانہ پر رکھا گیا۔
اب ذرا اسلام اور اسکی وسعت اقتدار اور اصلاحی ذمہ داریوں کے پہلو پر بھی نگاہ ڈالئے، جس کی بنیاد ہی کَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَّنَذِيرًا پر رکھی گئی۔ اس سے پہلے کہ میں نفس مطلب پر آؤں مجھے اس حقیقت کو واضح طور پر آپکے سامنے لے آنا چاہیے کہ صاحب اسلام نبی اُمی جس خاندان جس قبیلہ اور جس معاشرت کی گود میں پلے، اور جس گہوارے میں پرورش پائی اسکی معاشرتی، اخلاقی، تمدنی زندگی عقاید مذہبی اور تعلیمی حالت کیا تھی۔
اور اگر اس سے آگے جانیکی بھی رخصت مل سکے تو ساری دنیا کی فضائی حالت پر نظر ڈال جائیے۔ عرب زمین کے جس جغرافیائی ٹکڑے کا نام ہے تاریخ اگر ہمیں دھوکا نہیں دیتی تو یہ ماننا ہی پڑیگا کہ اسکی مدنی اور شہری زندگی کا کوئی بھی دستور کبھی موجود ہی نہ تھا۔ اور نہ جماعتی نظام کا کہیں کوئی پتہ ہی تھا۔ جاہل نامہذب وحشی، خونخوار، ظالم اور سفاک انسانوں کا ایک جنگل تھا۔
بتخانہ آذر میں ابراہیم خلیل کی زبان سے اگر ایک بارگی نعرۂ تکبیر بلند ہو سکتا تھا تو اس وادی غیر ذی زرع کے پتھریلی تپتی ہوئی پہاڑ فاران کی چوٹی سے ایک ابر رحمت بھی اُٹھ سکتا تھا اور اٹھا جسکی موسلا دھار بارش دنیا کی ساری سوکھی ہوئی زمین کی پیاس کو بجھا سکتی ہو اور بجھا دیا، اللہ اللہ اسکی کبریائی اور قدرتِ کاملہ کا کیا پوچھنا۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ

پیش نظر اپنی روحانی اور اخلاقی طاقتوں کو استعمال میں لاتے ہوئے اُمتوں کی اصلاح کی۔ انکی نوعیتیں بھی مختلف ہی نظر آتی رہیں۔ صرف توحید خالص کی تعلیم تو ایسی ہے جس میں کوئی کمی بیشی، یا اختلاف کی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ اسلئے کہ ہر مصلح قوم کا سب سے بڑا مشن متفقہ طور سے یہی رہا کیا تھا۔ باقی دوسرے قوانین میں شہری قانون کی طرح اختلافات کا پایا جانا کوئی تعجب کی چیز نہیں کہی جاسکتی۔ اس لئے کہ قانون تو ملکی ضرورتوں کیلئے ہوا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر دین عیسوی کو لے لیجئے اسکی صداقت اور خدائی مذہب اور آسمانی کتاب اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام والتکریم کی رسالت ان کی روحانی پاک نفسی اور مقدس تعلیمات سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ سوال اپنی جگہ پر پھر بھی قائم رہ جاتا ہے کہ جو قانون انکے ذریعہ انکی اُمت تک پہنچایا گیا، کیا دنیا کے امن و امان اور ملکی اصلاحات کے لئے کافی بھی ہو سکتا ہے۔ انجیل مقدس اٹھاکر پڑھ جائیے انسانی زندگی کے تکملہ کے لئے اس کے اندر کوئی بھی دفعہ آپ پائیں گے۔ اعلائے کلمۃ الحق۔ اور تبلیغ صداقت کیلئے بجز معجزانہ مواعظ کے آپ کو کوئی دوسری چیز بدقت بھی نہ مل سکے گی۔ اور اس پر تعجب کی کوئی وجہ بھی نہیں معلوم ہوتی۔ اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مختصر سی قوم میں خدائی مبلغ تھے۔ اور چھوٹی قوم کی ضرورتیں بھی چھوٹی ہی۔

کہ اتنی بڑی عظیم الشان تحریک اٹھائی جائے اور اُسے کامیابی بھی حاصل ہو۔
سرکار دو عالم کا اصلی فرض تو اسلامی دعوت اور توحید کی تبلیغ اور اخلاقیات
کی تعلیم تھی۔ انکے لئے تیغ و خنجر کی فوج و سپاہی کی کوئی حاجت نہ ہونی
چاہیئے تھی۔ لیکن ایک طرف تو خود گھر کے دشمن ہاتھ اور زبان سے
حملے پر حملے کر رہے تھے اور دوسری طرف ہر جگہ مبلغین اسلام کی جانیں
خطرے میں آتی جاتی تھیں۔ وہ قافلے جن پر ملکی معاش کا دارمدار تھا
غیر مامون ہوتے جاتے تھے۔ جن کی تفصیل آپ کو غزوات نبویہ میں تشریح
کے ساتھ ملے گی۔ ملکی حالت کی طرح بیرونی خطرات بھی کچھ کم نہ تھے
عرب کے تمام زرخیز صوبے روم اور فارس کے قبضہ اقتدار میں تھے۔ عراق
میں آل منذر کو ہٹا کر ایرانیوں کا تسلط ہو چکا تھا۔ حجاز کی اس روحانی تحریک پر
انکی غیظ و غضب والی نگاہ اٹھ رہی تھی۔ ان کے مغرور سروں میں جوش
انتقام کا سودا لہریں مارنے لگا تھا۔ حجاز کو وہ بزعم خود اپنی حدود ملکیت کا
ٹکڑہ جانتے تھے۔ چنانچہ سنہ ۶ھ میں ایران کے بادشاہ نے یمن کے
گورنر کو حکم بھیجا تھا کہ میرے غلام کو جو سرزمین حجاز میں مدعی نبوت
ہوا ہے میرے پاس گرفتار کر کے بھیجدو۔ شام کے تمام سرحدی علاقوں پر
رومیوں نے قبضہ جما رکھا تھا۔ آل غسان اور تمام عرب نے سا مذہب
عیسوی اختیار کر چکے تھے۔ فلسطین کی حکومت بھی ان کے ہی قبضے میں

یَتْلُوا عَلَیْھِمْ اٰیٰاتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ

"وہ اللہ جس نے جاہلوں میں سے ایک ایسا رسول بھیجا جو ان جاہلوں کے سامنے میری نشانیاں بیان کرتا۔ ان کو پاک کرتا اور کتاب حکمت کی تعلیم سکھاتا ہے۔"

اب ذرا یہ بھی غور کر لیجئے کہ اس علم کے معلم، حکمت کے مبلغ کو خود اُس کی قوم سے کیا بدلا ملتا ہے۔ خاندان، برادری، قبیلہ اور پورا ملک دشمنی، عداوت سبّ و لعن پر اتر آتا ہے۔ گھر کے اندر آرام لینا ناممکن وہ اور اس پر ایمان لانے والے چند مقدس نفوس کی محترم جانیں چوبیس گھنٹے خطرہ میں آجاتی ہیں۔ بے پناہی کا یہ عالم کہ تین سال تک حواشی مکہ کے تمام قبائل سے صرف اتنی بات کے لئے پناہ ڈھونڈتا ہے کہ وہ اس خدائی آواز کو خدا کے بندوں تک پہنچا سکے لیکن کہیں سے بھی حمایت کی آواز نہیں اُٹھتی۔ مظلوم آقا کے مظلوم غلام طعن و تشنہ سے تنگ آجاتے ہیں۔ مکّہ سے نکل کر آفریقہ اور حبش کی جانب ہجرت کر جاتے ہیں۔ جو بچے بچائے رہجاتے ہیں وہ ہدف مظالم کے گوناگوں شکار ہوتے جاتے ہیں۔ اُن کے دل ظالموں کے خوف سے لرزتے رہتے ہیں۔ اسی کو قرآن یاد دلاتا ہے۔ وَاذْکُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ اس دن کو یاد کرو جب تم ملک میں تھوڑے اور کمزور سمجھے زمین پر۔ ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو اُچک نہ لیں۔

اس ملکی شورش اور عام بے امنی کو دیکھتے ہوئے یہ کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے

کمی بیشی، اتار، چڑھاؤ نظر نہ آئے۔ اسلامی عسکر کا کمانڈر امام آگے کھڑا
ہو کر فوجی پریڈ کی صورت میں تمام نمازیوں کو ایک ساتھ کھڑا کرتا، ایک ساتھ
رکوع میں لیجاتا، ایک ساتھ زمین پر پیشانی کو رکھوا دیتا اور صف کے اندر
ہر سپاہی (نمازی) کا اُس کے حکم پر عمل کرنا کیا اسی کا دوسرا نام فوجی قواعد
سپاہیانہ پریڈ۔ اور عسکری ڈسپلن نہیں؟ اور آج کے تمام فوجی ڈسپلن،
فوجی قواعد اور سپاہیانہ پریڈ کو بالکل اسی سے مشابہت نہیں؟ اور ہر نمازی
مسلمان اس پریڈ کا، فوجی قواعد کا بہترین تعلیم یافتہ سپاہی نظر نہیں آتا؟

نماز میں مساوات کی روح اور رواداری پہلو

اس دور انقلاب میں
جبکہ ہر کس و ناکس اپنی گری حالت کا احساس کرنے لگا ہے۔ اور اس احساس نے
ہر ممکن اصلاح کا ایک خاص جذبہ پیدا کر دیا ہے۔ وہ کوئی نئی چیز نہیں کہی
جا سکتی۔ دنیا پر ایک دور اور بھی ایسا گزر چکا ہے۔ جب ایک طرف
خون و نسب پر ناز کرنیوالے دوسروں کو ذلیل اور اللہ تعالیٰ کے دوسرے
بندوں کو حقیر سمجھتے تھے۔ اور یہ حق بھی دنیا نہ گوارہ کر سکتے تھے کہ کوئی
دوسرا انکے مقابلہ میں کھڑا بھی ہو سکے۔ آپ جانتے ہیں کہ عرب اِس
شیخی اور کبرداریت میں سب سے آگے اور سب سے تیز تھا۔ اس غرور
تکبر نے اُن سے انسانیت کے بہترے اوصاف سلب کر لئے تھے۔

جا چکی تھی۔ چنانچہ ۸ھ میں رومی عیسائی حکومت عرب عیسائی رؤسا کی سازش سے خاص مدینۃ النبویہ علی صاحبہ الف الف تحیۃ والسلام پر حملہ کرنیکی تیاری کر چکے تھے جس کا ظہور واقعہ تبوک اور موتہ کی جنگ میں ہوا۔

الغرض ملک عرب اندرونی اور بیرونی خطرات میں مبتلا تھا۔ بظاہر کوئی صورت نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام حق اور صداقت کی آواز کامیابی کے ساتھ دنیا میں پھیلا سکتا۔ لیکن ایک طاقت تھی جو محمد رسول اللہ کی آستین میں چھپی تھی۔ وہ پکار اٹھی وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی اصلاح امت، تلقین توحید تبلیغ صداقت کی خاطر اس خاتم الانبیاء کی سخت رکاوٹوں کے باوجود نہ رکنے والی پیہم اصلاحات نے محال کو امکان سے قریب تر کر دیا تھا اگر ایک طرف انکا روحانی فیض کارفرما تھا۔ تو دوسری جانب تلوار بھی دفع کی خاطر اٹھا لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور یہیں سے اسلام کی دوسری زندگی یا ہیانہ زندگی کی ابتدا ہوتی ہے۔ اسلام کی نماز اس عملی زندگی کی ذہنی مشعل ہے۔ اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نماز باجماعت میں صف بندی اور صف بندی ایسی کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہر نمازی کا پاؤں، ہر نمازی کا سینہ اور ہر نمازی کا کاندھا۔ اگر کسی چیز سے ناپا جا سکے تو صف میں کسی قسم کی

ان کا غلام بھی ہے۔ اور اس سے بھی بڑھکر یہ کہ غلام اگلے صف میں کسی ممتاز شخصیت کے بغل میں کھڑا ہے۔ اور اُس کا آقا پچھلے صف میں کسی غیر معروف غریب و محتاج کے پہلو میں خدا کے حضور ہاتھ باندھے نظر آرہا ہے۔ تعلیم مساوات کی کوئی اس سے بہتر مثال بھی ہے ؟

اسلام کے یہ چار بنیادی فرائض جنکی مختصراً تفصیل مَیں نے اوپر بیان کی وہ عبادات کے بنیادی اصول تھے اور ایمان و عقاید کے ساتھ عمل کے سب سے اوّل اور لازمی سنگ بنیاد۔ ان کے علاوہ دوسرے فرائض و عبادات بھی ہیں۔ مگر وہ میرے عنوان بیان کے موضوع نہیں اس لئے انہیں آپکے سامنے پیش کرنا میرے مقصد سے باہر ہے۔ لیکن ضمناً بطور دفع دخل ایک چیز کے متعلق تھوڑا سا عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ بھی اسلئے کہ اوپر میں نے نماز میں عسکری تنظیم کا ایک باب قائم کر دیا ہے۔ ایک مدت سے مقدس مذہب اسلام پر مخالفین کا معترضانہ حملہ ہے کہ اسلام جبر و تشدد اور زبردستی کرنے والا مذہب ہے۔ مخالفین نے تاریخی واقعات کو کچھ اس طرح توڑ مروڑ کر بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ واقعہ اور حقیقت کی صورت ہی مسخ ہوگئی ہے اور اکثر ناسمجھ انکے کید و مکر میں مبتلا ہوگئے ہیں۔

یہ تو مجھے اقرار ہے کہ اسلام میں نماز روزہ حج زکوٰۃ

جبر و تشدد و ظلم و ستم رانی کی ان میں کوئی حد باقی نہیں رہی تھی۔ برّ اعظم ایشیا میں، لونڈی غلاموں کا رواج زمانۂ قدیم سے چلا آرہا تھا۔ یہ مظلوم گروہ اپنے ظالم آقاؤں سے انسانیت سوز مظالم کے طرح طرح سے شکار ہو رہے تھے۔ اور اُن کی فریاد سننے والا آسمان کے نیچے کوئی بھی نہ تھا۔ غیرت الٰہی کو حرکت ہوئی اور مظلوموں کا فریادرس آگے بڑھا۔ اور ان مظلوموں کی دست گیری کی پوری پوری ذمہ واری اپنے مضبوط ہاتھوں میں لے لی صاحب اسلام بابی و امی نے ان غلاموں کے حقوق کو تسلیم کرا کے چھوڑا۔ بجز ان خدمات کے جو ایک انسان انسان کا کر سکتا ہے، باقی تمام امور میں انہیں بھی مساویانہ حق دلوا دیا اور اس سے بھی زیادہ مساوات کا پہلو یہ ظاہر فرمایا کہ ہر نیک کاموں میں غلاموں کو آزاد کر دینے کا ثواب بے انتہا بتلایا۔ دنیا نے دیکھا۔ کہ اس پکار نے عرب کے ہزاروں مظلوم غلاموں کو ان کے مالکوں کی غلامی سے آزادی دلادی، اور یہ بھی کہ نشست و برخاست، کھانا، پینا، عبادت و ریاضت میں وہ اپنے آقاؤں کے برابر کے حصہ دار بن گئے۔

مسلمانوں پر جب نماز باجماعت کی تاکید کی گئی تو یکایک دنیا نے حیرت کے ساتھ دیکھا۔ کہ پہلی صف میں آقاؤں کے بغل میں اُن کا

ایک بہادر قوم کا امتیازی جوہر ہے، اسلام اور فرزندان اسلام میں پوری طاقت کے ساتھ نظر آجاتی۔ اپنے اور غیر سب کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کی ۱۲ سالہ مکہ کی زندگی سخت کشمکش اور موت و حیات سے ملی جلی زندگی تھی۔ ہاں تھوڑا سا سکون ان غریبوں کو مدینہ کی مقدس گلیوں میں مل جانیکی امید کیجا سکتی تھی۔ لیکن شیریروں کی شرارتیں انہیں وہاں بھی چین سے رہنے نہ دے سکتی تھیں ان کے گھروں پر چڑھکر انہیں مٹا دینے کی پیہم کوشش کر رہے تھے۔ یہ تو اپنے گھر والوں اور ایک طرح پر اپنی قوم کا حال تھا۔ باہر والے امراء اور حکمراں اپنی مادی طاقتوں کے زعم پر دشمنی کی آخری حد پر اتر آئے تھے۔ شامی عیسائی فرمانروا اپنے زعم میں سارے عرب کو اپنا غلام سمجھتا تھا۔ جس کی شوخی کی یہ آخری حد تھی کہ سرکار دو عالم کو خاک بر دہنش اپنا غلام سمجھتا ہوا گرفتاری کا حکم نافذ کر رہا تھا۔ حالانکہ وہ عیسائی ہوتے ہوئے اس سے واقف تھا۔ اور اسکو واقف ہو جانا چاہیے تھا کہ حضرت عیسےٰ علی نبینا و علیہ السّلام ایک نبیؐ کی بشارت دے کر گئے ہیں۔ اور انکے بعد سے پانچ سو سال گزر جانے کے باوجود کسی نے دعوائے نبوت نہیں کیا ہے۔ اور جو نشانیاں آنے والے نبیؐ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اس عربی

کی طرح جہاد اور جہاد بالسیف کا حکم مخصوص طور پر ہے۔ لیکن
اس سے اسلام پر خونریزی کا حکم لگانا صریحی ظلم کرنا ہے۔

اسلام کی تاریخ لکھنے والوں میں مسلمانوں کے علاوہ بہتیرے
غیر مسلم بھی ہیں اور بعض تاریخ اگرچہ مسلمان قلم سے منسوب ہے۔ لیکن
یہ بھی واقعہ ہے کہ خود مصنف کا سینہ اسلام دشمنی سے خالی نہ تھا۔
ان کے دلوں میں خیبر اور مدینہ کا انتقامی جذبہ روپوش تھا۔ وہ
اپنے کو مسلمان کہتے ہوئے مسلمانوں کی پر خلوص یکجہتی پر یہودیت کی
تلوار چلانا چاہتے تھے اور اپنے مکر و کید کے ذریعہ اسلامی یکجہتی کے
فلک بوس عمارت کو ہلا دینے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ تاریخ
جس کی روایات پر مذہب کا کوئی دار و مدار نہیں ہو سکتا۔ علیحدہ رکھئے۔
حدیثوں میں انکی شرارتیں بارہا پائی گئیں۔ اور یہ بالکل جھوٹ نہیں کہ
مفسد اپنے ارادہ میں بہت حد تک کامیاب بھی ہوتے رہے۔ یہاں تک
کہ ایک جماعت ہم سے چھٹ کر ان مفسدوں کی شرارتوں کی شکار
ہوگئی۔ اور تولی اور محبت کے نام پر اسلام کے اندر مستقل فتنہ
قائم ہو کر رہا۔ اسی طرح جہاد کا معاملہ بھی ہے۔ حالانکہ مذہبی تاریخ
پڑھنے والے اگر ذرا سا غور سے کام لیتے تو انہیں تعلیمات اسلام سے
کوئی بھی شکایت پیدا نہ ہوتی بلکہ غیرت و خود داری اور شرافت نفس جو

زیادہ پست اور کمزور سمجھنے لگے ہیں۔ اسی طرح کی دوسری اچھی اور
نیک باتیں بتاتا اور سکھاتا ہے۔ کیا ان باتوں کا بدلہ تلوار
ہو سکتی تھی؟ اور کیا یہی اور اسی طرح کی دوسری نیک باتیں
اس سے پہلے موسیٰؑ جیسے الوالعزم پیغمبر اور عیسےٰؑ جیسے مقدس نبی
کی زبان سے دنیا سن نہ چکی تھی؟ یہ اچھی باتیں صرف عرب کی
مخصوص چہار دیواری کیلئے نہ تھیں۔ انہیں تو آگے بڑھنا تھا۔ اور
سارے عالم کے گوشہ گوشہ میں پھیل جاتا تھا اور [illegible]
سچوں نے اپنی گردنیں پیش کر دیں۔ لیکن سچی زبان بند نہ ہونا تھی
نہ ہوئی۔ توحید کے پرستار پتھروں کے غلاموں کے نیام سے نکلی
ہوئی تلواروں کے سامنے آئے۔ اور اعلائے کلمۃ الحق کے مدّعی
زخم پر زخم کھاتے ہوئے بھی "اللہ ایک ہی ہے" کی رَٹ لگاتے
رہے۔ گردنیں کٹتی رہیں، سینے چاک ہوتے رہے۔ حق والوں کے
خون سے تلوار اور زمین لال و رنگین ہوتی رہی۔ کیا اس کے بعد
بھی صبر تحمل برداشت کا۔ تہذیب و شائستگی۔ عقل و فطرت کی دُنیا
سے کوئی سوال اٹھ سکتا ہے؟ مسلمان کیا اتنا مجبور نہ کئے گئے کہ
دفاع اور نیک مقصد کی خاطر انکے ہاتھ بھی تلواروں پر قبضہ
جمالیتے۔ دفاع کی یہ آخری صورت شرافت و عزت نفس کی

نبیؑ کے اندر تمام پائی جاتی ہیں۔ اور اُسکی تعلیم پکار رہی ہے کہ
عیسےؑ کی دی ہوئی تعلیم دنیا میں پھر نئے سرے سے زندہ کردیگئی ہے
وہ کوئی ایسی نئی بات نہیں کہتا کہ وہ انسانی فہم سے بالا ہو۔ وہ
دنیا پر انسانی حکومت قائم رکھتے ہوئے زمین کے اصلی مالک کی
حکومت صرف تسلیم کرالینا چاہتا ہے۔ وہ دنیا کی ہر بے اعتدالی پر
حد قائم کرکے ہر چیز کو اعتدال پر لے آنا چاہتا ہے۔ وہ بیوا ؤں
اور یتیموں اور کمزوروں کو ہر حال میں مستحق رحم وکرم قرار دیکر ان کے
صرف حق کا طالب ہے۔ وہ زنا، جوا، شراب، سود۔ لواطت
جیسے فطرتی حرام کاریوں سے اللہ کے بندوں کو محفوظ دیکھنا چاہتا ہے۔
وہ غلاموں کیلئے بھی اُن کے ظالم آقاؤں سے انصاف کا طالب ہے۔
وہ سرمایہ داری۔ اور دولت مند بننے کو منع نہیں کرتا۔ مگر ان کے
مصارف میں اعتدال اور انکی دولت میں تھوڑا سا اللہ کے دوسرے
بندوں کا بھی حق مانگتا ہے کہ انکی ساری دولت امانت الٰہی ہے۔ اور
سب سے بڑھکر یہ کہ وہ خود انسانوں کو اُن کی عظمت و قدر و قیمت اور ان کا
اصلی مرتبہ بتاتا اور سکھاتا ہے۔ جسے بدنصیبی سے خود انسانوں نے
بھولا دیا ہے اور جس کو بھول جانیکے ہی بدولت طرح طرح کے
بدعات میں مبتلا ہوکر خود کو دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل۔ دنیا میں سب سے

زمین کی سلامتی۔ انسانیت کی تکمیل۔ اور امن و امان کو برقرار رکھنے کے لئے آخر کون سی دوسری شکل ممکن ہو سکتی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ اسلام نے کبھی خود سے بڑھکر تلوار نہیں چلائی۔ ہاں جب اس پر بلا وجہ تلواروں کی بوچھاریں ہونے لگیں۔ تو اُسے بھی مرد میدان بن کر اپنے اور اپنے خدا کے دشمنوں کے سامنے آنا پڑا۔ موت و حیات کے اس کشمکش میں مجاہد اسلام کے صبر و ضبط، تحمل اور غصہ پر پورے پورے قبضہ کی شان تو دیکھئے کہ وہ اپنے دشمن پر اسوقت تک تلوار نہیں چلاتا۔ جب تک اتمام حجت کی خاطر خطرہ سے بے پروا ہو کر اس پر آخری بار بھی اسلام پیش نہیں کر لیتا اور تلوار بھی اٹھتی ہے تو اسوقت جب دشمن اس پر پہل کر چکتا ہے۔

جہاد کے متعلق ایک اور بھی غلط فہمی ہے۔ سمجھا جاتا ہے کہ جہاد کی اجازت انفرادی طور پر شاید ہر مسلمان کو ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ اسلام کی مستقل تنظیم مکمل اُسیوقت ہوتی ہے۔ جب مسلمانوں کا کوئی امیر و خلیفہ یا امام بھی ہو۔ اور جب ان کا تحملہ ہو لیتا ہے تو مذہبی جہاد کا فریضہ پوری طاقت کے ساتھ مسلمانوں کے امیر و خلیفہ کے ذمہ عاید ہو جاتا ہے امیر مسلمانوں کی اس "سمع و طاعت" والی طاقت کو لے کر دشمنوں سے

ایک تاریخی بہادری نہیں ؟ یہ کیا ظلم ہے کہ دنیا ایسی حکومتوں کو
جو جبر و تشدد اور لاکھوں انسان کے خون سے حاصل کی گئی ہو۔
برقرار رکھنے پر ہر ظلم وستم۔ قتل وخونریزی۔ جبر و تشدد کے جواز کا
فتوٰی دیدے لیکن زمین کے اصلی مالک کو یہ حق بھی حاصل نہ ہو کہ
کسی گوشہ ہی پر اُسکی شاہنشاہیت کا گیت گایا جاسکے۔ اور اس کے
نام کی تکبیر بلند ہوسکے۔ اگر ایمان وصداقت کے سرفروش مجاہد
اللہ کے نام پر اپنی جانوں کی بازی لگانا چاہیں تو ان کی گردنیں
وقف خنجر و تلوار ہوجائیں اور ہستی دنیا انکے مقدس خون سے
بنے ہوئے، نقش ونگار پر مسرت وشادمانی کے بینڈ بجائے
اور اگر وہ ہی انتہائی مجبوری میں دفاع کی صورت اختیار کرنا چاہیں۔
تو دنیا اس کو ظالم۔ خون کا پیاسا۔ زمین پر فتنہ وفساد پھیلانے والا
کہتے کبھی نہ شرمائے۔

جرمن اگر مدتّ کی کھوئی ہوئی زمین کو واپس لینے کی کوشش کرسکتا ہو۔
برطانیہ اگر انصاف وحق کا نام لے کر عظیم الشان جنگ کی حقدار ہوسکتی ہے۔
تو اللہ والوں کو بھی یہ حق قدرتی طور پر ملنا چاہیئے کہ ذلیل باغیوں کی
بغاوت۔ مغرور سرکشوں کی سرکشی دور کرنے کے لئے اپنی ہر طاقت کو
استعمال میں لاسکیں۔ اور اگر یہ عین فطرت وعقل نہ ہو تو مجھے تبائیے کہ

سارے فتنوں کا ذمہ وار ٹھہرانے لگی ہیں۔ آزادی کا غلط تخیل انہیں مذہب کے عین فطرت قوانین سے بالکل آزاد کر دینے پر تلا ہوا ہے۔ وہ اپنے آپ کو کراہت کے ساتھ مسلمان کہتے ہوئے بھی مذہب سے نفرت کرنے لگے ہیں۔ انہیں دکھ ہے کہ مذہب غلامی کا دوسرا نام ہے۔ کاش وہ بھولکر بھی ایک ہی بار قرآن پڑھ لیتے۔ تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا۔ وہ جب بنی اسرائیل کی غلامی اور حضرت موسی کی نبوت کی داستان قرآن کے اندر پڑھتے۔ وہ جب اس مکمل قانون کی دوسری دفعات کی طرح بنیادی دفعہ کے اس ٹکڑے کو دیکھتے کہ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ہ تو حیرت کے ساتھ انہیں اپنی زندگی کا جائزہ لینا پڑتا۔ اور انہیں یہ تسلیم کرنا پڑتا کہ انکی گذری ہوئی زندگی غلامی کی جو زندگی تھی وہ اسلامی اور مذہبی زندگی ہی نہیں کہی جا سکتی۔ اسلام اور غلامی۔ اجتماع ضدین ہے اور کلیتًا محال۔ اپنی (اور دوں) لاعلمی اور بیچارگی کے باعث وہ کھلی گمراہی کا دوسرا نام آزادی رکھ رہے ہیں۔ صحیح آزادی کا پروگرام طریقہ عمل انہیں مذہب اور اسکی کتابوں میں ہی ملے گا۔ یہ غلط ہے۔ اور سراسر غلط کہ مسلمانوں کا مذہب الگ اور سیاست الگ ہے اسلام اور مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی زندگی دو علیحدہ علیحدہ چیز نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ مذہب کو سیاست سے الگ دیکھنا چاہتے ہیں،

مقابلہ پہ اتر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا بڑا سے بڑا
بہادر بھی کوئی حرکت نہیں کر سکتا۔ جبتک مسلمانوں کا امیر اپنی
سیادت و سیاست کے زیر کمان اُسے میدان میں دشمن کے مقابلہ
کیلئے اُنہیں شرایط کی پابندیوں کے ساتھ اُتر جانے کا حکم نہ دیدے۔

میں اوپر کہیں کہہ آیا ہوں کہ اسلام اپنے ہر اعمال و حرکات میں
انفرادیت کے بجائے اجتماعیت کو زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ یہانتک
کہ مخصوص عبادات بھی اس نظریہ سے خالی نہیں۔ اِسلئے جہاد جیسے
مذہبی فریضہ میں اس کا کافی لحاظ کیوں نہ ہوتا۔

کاش آج مسلمان **اجتماعیت** کے اس مقدس نظریہ کے
پابند ہوتے اور اپنی موجودہ **انتشاری** زندگی کے بجائے اسلامی
اصول کے زیر اثر اجتماعی زندگی پر کاربند ہوتے۔ کاش ان کا کوئی
مسلمان امیر ہوتا۔ سمع و طاعت کی طاقتوں کا انہیں صحیح اندازہ ہوتا
تو آج کی ساری پستی اقبال مندی سے بدلی ہوئی نظر آتی۔ آپ
دیکھتے ہیں کہ وہ قوم جو دنیا کے تمام فتنہ و فساد کو مٹانے۔ سارے
پھوٹ اور تفرقہ کو دور کرنے کے لئے دنیا میں آئی تھی۔ حُریت جس کی
اصل روح اور ازادی جسکی جان تھی۔ خود انکا آج کیا حال ہے بدنصیبی کا
تو یہ عالم ہے کہ خود مسلمانوں میں ایسی جماعتیں پیدا ہوگئی ہیں جو مذہب کو

نہیں کروں گا اگر یہ یقین کرنیکی کوشش کروں کہ ملک میں جس گروہ کی ذہنیت مذہب کو سیاست سے اور سیاست کو مذہب سے الگ دیکھنے کی ہے ان کی خواہش اس پردے میں مذہبی پیشواؤں کو سیاست کی دنیا سے نکال دینے کی ہے۔ بلا شبہہ مجھے یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ سیاست کا وسیع تر خطرناک میدان کانٹوں اور لاکھوں خطروں سے بھرا پڑا ہے۔ موجودہ دور کی سیاست میں جھوٹ۔ مکر۔ فریب۔ دغا۔ چالبازی۔ کا عنصر غالب تر ہے اس خطرناک منزل کی ہر گھاٹی پر چلنے والوں کو خطرے کا مقابلہ اُسی طاقت سے کرنا پڑے گا۔ اور یہ بھی شاید صحیح ہو کہ مذہبی پیشواؤ اُن کے مدمقابل نہ ہوسکیں۔ اس کے مقابلہ کے لئے کامیاب سیاست داں وہی ہوسکتا ہے جو موجودہ دور کا ماہر سیاست ہو۔ لیکن اس کے باوجود مجھے کہنے دیجئے کہ جدید ماہرین سیاست کو رخصت دیتے ہوئے بھی مذہبی پیشواؤں کے قدرتی حق کے خون کرنے کا فتویٰ تو نہ دیجئے۔ پبلک اسٹیج پر آپ کی زبان آزاد ہے۔ سیاست کا دریا بہا دیجئے۔ لیکن اس سیاست کو بھی نہ بھول جائیے کہ زن وشو کے تعلقات میں جن پر گھر کے امن وامان کا مدار ہے۔ کن کن صورتوں۔ کن کن لفظوں اور کن کن اشاروں سے رکاوٹیں پیدا ہوسکتی ہیں۔ اور گھر خاندان اور بچوں کی زندگی خطرے میں آسکتی ہے۔ اسی جہاد کو لیجئے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ

معلوم نہیں اسلام کی تکمیل اور پوری پوری جامعیت کا بھی کوئی علم و یقین رکھتے ہیں یا نہیں اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین مکمل کر دیا اور تمام کر دیا میں نے اپنی نعمتوں کو) کے آخر معنی کیا ہیں؟

یہ عجیب بات ہو گی کہ وہ مذہب جو انسانیت کی تکمیل کا مدعی تو ہو۔ لیکن ملکی امن و امان اور انسانی تہذیب و شائستگی کے قیام بقا کا کوئی عملی دستور اُسکے پاس موجود نہ ہو۔ میں نہیں جانتا کہ سیاست انہیں اجزائے منتشرہ کو یکجا کرنے انکو خوبی کے ساتھ قائم رکھنے کا نام ہے یا وہ ایک ایسی چڑیا ہے جسکی سیرت و صورت کا علم جدید تعلیم گاہوں کے سند یافتوں کے ہی حصہ کی چیز ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ اسلام کے بنیادی اصول میں۔ انتظام ملکی۔ انتظام عسکریت۔ قیام امرائے عساکر۔ احتسابات اصلاح بین الناس۔ حکام و ولاۃ۔ محصلین زکوٰۃ و جزیہ۔ قیام قضاۃ پولس، جلاد۔ جاگیریں، افتادہ زمینوں کی آبادی کا بندوبست، وراثت وصیت۔ اوقاف۔ نکاح و طلاق۔ حدود تعزیرات۔ وغیرہ وغیرہ داخل ہیں۔ ان میں وہ کونسی چیز ایسی ہے جن کا تعلق مذہب سے بھی اتنا ہی نہیں ہے۔ جتنا سیاست سے۔ اور کیا ان میں سے کسی کا نہ ہونا یا ان کے اندر کمزوری پیدا ہو جانیکا دوسرا نام ملک کی بے امنی قومیت کی موت۔ بلوہ عام۔ دنیا کا انتشار نہیں؟ شاید میں غلطی

عمارت کے ابتدائی مرحلہ میں اینٹ پتھر۔ لوہے لکڑی کی طرح یہ ضروری ہے کہ مٹی اور گندے پانی بھی کافی طور پر بہم کرلئے جائیں تاکہ عمارت کی ظاہری اور باطنی خوبصورتی سامنے آنے میں گارے کی دقت پیدا نہ ہو۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کے اس خوبصورت عمارت میں گندگی کا عنصر غالب ہے؟ کیونکہ مٹی کا ہر ذرہ اور پانی کا ہر قطرہ نجاست اور گندیوں سے بھرا پڑا ہے۔

اذان

میں اوپر عرض کرچکا ہوں کہ ہماری تمام عبادتوں میں نماز کو سب پر اہمیت ہے۔ اور اس اہم ترین عبادت میں اکیلے کے بجائے جماعت کا خاص اہتمام اور پابندی وقت کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔ اسلئے یہ سمجھ لینا کچھ دشوار نہیں کہ لوگوں کو جمع کرنے اور ٹھیک وقت پر جماعت کیساتھ نماز ادا کرنے کے لئے کسی صورت میں اعلان کی ضرورت تھی۔ ابتدائے اسلام میں خود سرکار دو عالم کو صورت اعلان کیلئے تردد تھا۔ صحابہ کی مختلف رائیں تھیں۔ لیکن حضرت عمرؓ کے قلب مطہر پر نزول سکینہ ہوا اور یہ مشکل بالکل آسان ہوگئی۔ جو رائے انہوں نے حضرت اقدس میں پیش کی اُسے بارگاہ رسالت سے اجابت اور مقبولیت کا شرف حاصل ہوا۔ حضور اقدس نے حضرت بلال کو حکم فرمایا۔ اور اذان اپنی صورت میں دیجانے لگی۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلمان اپنے ہر کام میں پہل اللہ تعالیٰ کی شاہنشاہیت اُسکی بڑائی اور یکتائی کے ذکر کے ساتھ کرتا ہے۔ نماز جیسی عبادت کیلئے یہ ضروری تھا کہ وقت کا اعلان بھی ہو تو اُسی کی بڑائی سے ہو۔ تاکہ مسلمان کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ کی قدوسیت سے غافل نہ ہونے پائے۔

اذان کے مقررہ ٹکروں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ

کن حالات۔ کن صورتوں۔ کن وقتوں۔ اور کس ملک و قوم پر آپ تلوارے کردوڑ سکتے ہیں، مانا آپ ماہر سیاست ہیں۔ ملکی قانون کے بہتر واقف اور کامیاب ایجنٹ ہیں۔ دولت مند ہیں۔ اور قوم میں برغود غلط ہردل عزیز بھی سمجھے گئے ہیں۔ لیکن کیا آپ کو مذہب اور اسکی مکمل سیاست میں مداخلت کا بھی پروانہ مل گیا ہے۔ اور مسلمانوں پر ان تمام سیاستوں میں جنکی ہر کڑی مذہب سے چپکی ہو آپکو کسی طرح سے اجتہاد کا حق بھی حاصل ہو سکتا ہے؟ مجھے جدید سیاسیین کی ضرورتوں سے انکار نہ کرنا چاہیئے۔ انہیں بھی اختیارات خصوصی ملنا۔ انکی سیادت کو بھی تسلیم کرنا۔ اور انکو بھی زندہ دیکھنا چاہیئے کہ ہماری سیاسی زندگی کے وہ بھی ایک اہم جزو ہیں۔ لیکن یہ کیونکر جائز تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ ملک کے تمام مذہبی پیشواؤں کا قتل عام کردیا جائے اور مذہب کو سیاست ملکی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا جائے۔

ہندوستان کی کچی پیداوار جنس کیلئے کیا یہ جائز ہو سکتا ہے کہ ندی نالوں کو تو چھوڑ دیا جائے۔ اور گنگا اور جمنا جیسے عظیم الشان جواد اور سخی دریاؤں کو کلیتاً پاٹ دیا جائے۔ موجودہ سیاست کے جدید بنیاد پر سچائی کی عمارت کا قائم ہونا ناممکن نہیں ہو سکتا۔ دیوار کھڑی ہو جانیکے بعد بھی کمروں اور چھتوں پر تبدیلیاں ممکنات سے دور نہیں کہی جاسکتیں،

علی الصلوٰۃ سے یہیں سے اذان کی حیثیت ندا کی بھی قایم ہوتی ہے۔ اور حی علی الفلاح پر ختم ہوتی ہے اب آپ دیکھیں کے ان ٹکروں میں کون سا ٹکرا ایسا ہے جس پر عبادت کی حیثیت قایم نہیں ہوسکتی۔ نماز سے پہلے بھی اذان ہر صورت میں ایک عبادت ہے۔ جسے مسلمان ادا کر لیا کرتے ہیں۔ اذان کے متعلق قرآن میں دو آیتیں ہیں۔ پہلی آیت

وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلوٰةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ۵ (مائدہ)

اور جب تم نماز کیلئے اعلان کرتے ہو تو لوگ اسکے ساتھ کھیل اور ہنسی کرتے ہیں

اور دوسری آیت۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلوٰةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۵ (جمعہ)

ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارے جاؤ تو دوڑ پڑو اللہ کے ذکر کیلئے اور تجارتی کاروبار سے رک جاؤ اس میں تمہاری بھلائی ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو۔

مدعی کہہ سکتا ہے کہ دونوں آیتوں سے اذان کی ندا کی حیثیت تو قایم ہوگئی ہے۔ مگر عبادت کی حیثیت کہاں نکلی۔ تو اس کا دو جواب ہے اول یہ کہ ذکر الہی کی سعی اذان ہی کے ذریعہ سے

اسلام کے تمامی عقاید کا نچوڑ صرف اذان میں ہے اب جانتے ہیں کہ اذان کی ابتدا اَللّٰہُ اَکْبَرُ سے ہوتی ہے۔ اور اختتام بھی اسی اظہار بزرگی پر دوسرا ٹکڑہ اشہد ان لا الہ الا اللہ کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلامی عقید کا سارا زور تو اسی ایک جملہ الا اللہ پر ہے۔ اگر یہی نہ ہو تو پھر کچھ بھی نہیں تیسرا ٹکرہ اشہد ان محمدا لرسول اللہ کا ہے اتنا کیر کوئی بتائے۔ مسلمان اگر اس نام کی رٹ نہ لگائے تو اُس سے زیادہ بدنصیب دنیا میں اور کون ہو سکتا ہے۔ ہم نے جو کچھ جانا اسی محبوب و مقدس نام کے طفیل میں۔ جو کچھ سکھا اسی کے صدقہ میں۔ ہمیں اپنے ایمان و توحید پر ناز ہے۔ لیکن توحید اور ہمارے ایمان کی درستگی ہی کس نے کی۔۔

مدح رسول عربی میکنم ذکر دوائے قلبی میکنم
شیخ من و سید عالی نسب پیر طریق من و امی لقب

من ان طوطی خوش مقالیم نصر کہ ہر لحظہ خانیم بے عدو بید
محمدؐ محمدؐ محمدؐ محمدؐ محمدؐ محمدؐ محمدؐ محمدؐ

وہاں پہنچ کر یہ کہنا صبا سلام کے بعد تمہارے نام کی رٹ ہے خدا نام کے بعد

صلی اللہ علیک یا محمد وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔ چوتھا ٹکرہ حی

لو اجتمع اهل بلدة على ترکه قاتلهم علیه۔ ولو ترکه واحد ضربته وحبسته (شامی) والفابتة عندنا ان کل فرض اداء کان او قضاءً یوذن لهو یقام سواءً کان ادا همنفردًا او بجماعتہ فتاویٰ عالمگیری ص۵۷ حنفی مذہب کا یہ ضروری دستور ہے کہ ہر فرض چاہے ادا ہو یا قضا۔ اکیلا پڑھے یا جماعت کے ساتھ۔ مگر اذان واقامت پکاری جائیگی۔ میت کو دفن کرنیکے بعد شافعی مذہب میں اسکی مغفرت کیلئے اذان پکاری جاتی ہے۔ کتاب الام ان عبادتوں سے معلوم ہو گیا کہ اذان کی جہت صرف اعلان نماز کی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کی جہت مستقلاً عبادت کی بھی ہے۔ بچے کی پیدائش کی مسرت وشادمانی ماں باپ کو جو کچھ ہوتی ہے اُسے سب جانتے ہیں۔ اظہار مسرت کی ابتدا اذان سے کیجاتی ہے۔ اور اس کے لئے برکت اذان کے ذریعہ مانگی جاتی ہے آندھی اور سیلاب میں اذان پکارنے کے صاف معنی ہیں کہ اذان کے توسل سے عذاب الہی کو دور کرنے کی التجا کی جاتی ہے اسی طرح بیماریوں میں اور دوسرے آفات میں اذان پکارنا دلیل ہے اس بات کی کہ خدا کے حضور میں عبادت کا ایک توسل ڈھونڈھا جاتا ہے۔ تاکہ اس کے واسطہ سے مصیبت زدہ کی فریاد سنی جائے۔ بہر حال ان تمام صورتوں

ہوئی۔ نماز جمعہ کی شرکت اعلان وقت ہی سے ہوئی۔ جو چیز عبادت کا سبب ہو وہ عین عبادت ہے اور دوسرا جواب میں اذان کے ٹکروں کے اندر دیکھ چکا ہوں۔ اور ایک تیسرا جواب بھی ہے۔ جو آپ کو آگے ملے گا۔

اذان اور فقہائے اسلام علاوہ اوقات نماز کے اذان کے متعلق فقہائے اسلام کی مختلف رائیں ہیں۔ شامی جلد اول صفحہ ۳۹۹ میں ہے کہ علاوہ اوقات نماز کے اذان ان حالات میں پکارنا چاہیے۔ جب کسی کے گھر اولاد ہوئی ہو۔ کوئی مسلمان کسی مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہو۔ یا اس پر کوئی آفت نازل ہوتی ہو۔ صرع کی بیماری میں مبتلا ہو گیا ہو۔ آندھی ایسی اٹھی ہو کہ اس سے تباہی کا اندیشہ ہو۔ پانی اتنا برس رہا ہو کہ ہلاکت کی نوبت آجائے۔

رایت فی الکتب الشافعیۃ انہ یوذن الاذان لغیر الصلوٰۃ کما اذن للمولود والمھموم والمصروع والغضبان

الاخ شامی صفحہ ۲۰۳ مطبوعہ مصر اگر کسی قریہ یا شہر کے لوگ ملکر اذان بند کردیں تو امیر ان پر قتال کرے اور اگر ایک شخص ترک کرے تو اس کی سزا کی جائیگی۔ اور اسکو قید کردیا جائے گا۔

سنین محتسباً کتب لہ براءۃ من النار رواہ الترمذی وابن ماجہ
سات سال مسلسل اذان پکاری اس کی جہنم کی آگ سے برائت ہو گئی۔

عن ابن عمران رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال من اذن ثنتی عشر سنۃ وجبت لہ الجنۃ وکتب لہ بتاذینہ کل یوم ستون حسنۃ۔ رواہ ابن ماجہ
حضرت عبداللہ ابن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کے جس نے ۱۲ سال اذان دی جنت اسکے لئے واجب ہو گئی اور (اذان دینے کے بدلے میں) اسکے لئے ہر روز ساٹھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

عن معاویہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم یقول المؤذنون اطول الناس یوم القیامہ۔ رواہ مسلم
حضرت معاویہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والیہ وسلم سے سنا ہے کہ موذنوں کی گردنیں قیامت میں تمام لوگوں سے اونچی ہوں گی۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والیہ وسلم لا یسمع مدی
حضرت ابی سعید خذری کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والیہ وسلم نے موذن کی آواز اذان کو

کو سامنے رکھتے ہوئے اتنا تو تسلیم ہی کرنا پڑیگا کہ اذان اپنی مجموعی حیثیت میں دوسری عبادتوں کی طرح ایک عبادت ہے۔ اگرچہ اس کی امتیازی حیثیت اعلان نماز کی بھی ہے مگر یہ اعلان بذات خود ایک عبادت ہے۔

موذن اور اسکی بزرگی

اذان دینے والے کے متعلق احادیث میں بکثرت تعریف اور ان کی بزرگی بیان کی گئی ہے۔ میں چند حدیثیں نقل کر کے اس بیان کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه واله وسلم الامام ضامن والموذن موتمن۔ اللهم ارشد الائمه واغفر الموذنین۔ رواه احمد وابوداود وترمذی۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کہ امام ضمانتدار ہے اور موذن امانت دار خدایا اماموں کو نیک عمل کی توفیق دے۔ اور موذنوں کو بخشدے۔

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه واله وسلم من اذن سبع

حضرت عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والیہ وسلم نے کہ جس نے

صلی اللہ علیہ والہ وسلم قل کہا تم بھی انکے کہے ہوئے کو دہرایا کرو اور یقولون فاذا انتھیت فسل جب ختم کرلو تو اللہ سے سوال کرو تم
تعطہ رواہ ابوداود کو عطا کیا جائے گا۔

انسان کی دینی اور دنیاوی ضرورتوں کی کوئی حد نہیں کہی جاسکتی۔ لیکن اس کثرت کے اندر بھی بعض ضرورتیں ایسی ہوا کرتی ہیں جن کا پورا ہوئے بغیر انسان انتہائی پریشانیوں اور غم میں مبتلا رہا کرتا ہے۔ ضرورتوں کا پورا کرنا درحقیقت خدائے قدوس ہی کا کام ہے۔ اذان خدا کے حضور میں قبولیت دعا کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ انسان بہ نیت خالص اللہ کے حضور میں دست سوال دراز بھی کرے۔

جبل اور اذان

نماز سے متعلق اپ جس تفصیل کے ساتھ میں عرض کر چکا۔ اور جماعت اور پابندئ اوقات کے متعلق جو تفصیلی بیان آپ پڑھ چکے اس کے بعد اب کسی اور تفصیل کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ یہ سمجھ لینا بالکل آسان ہے کہ نماز تنہا پڑھنے کے بجائے جماعت سے پڑھنے کی تاکید ہے۔ اور جماعت کیلئے اذان کو اگر اعلان اوقات ہی تسلیم کیا جائے تو بھی جماعت نماز کی اذان ایک لازمی جزو قرار پائیگی۔ آخری

صوت المؤذن جن ولا انس — نہیں سنتا ہے کوئی جن یا انس یا
ولا شیء الا شہد له یوم — کوئی شئی مگر یہ کہ قیامت کے دن
القیامه رواه البخاری — اس پر گواہ ہوگا۔

اوپر کی احادیث سے موذنوں کی بزرگی۔ ان کی فضیلت معلوم ہو گئی۔ اور اسی سے آپ اس کا بھی اچھی طرح اندازہ فرما سکے ہونگے کہ جب موذنوں کی اتنی بڑی فضیلت اور بزرگی احادیث میں بیان کی گئی ہے تو خود اذان کی بزرگی کا کیا پوچھنا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی اذان کو عبادت تسلیم کرنے میں کسی شک کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟

اجابت دعا بعد الاذان

عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه واله وسلم لا یرد الدعاء بین الاذان والاقامته۔ رواه ابوداود والترمذی

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ دعا اذان اور اقامت کے درمیان رد نہیں کیجاتی ہے۔

عن عبد الله ابن عمر قال رجل یا رسول الله ان المؤذنین یفضلوننا۔ فقال رسول الله

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا موذن ہم سے افضل ہیں۔ تو آپ نے فرمایا

خرچ کرنی پڑ رہی ہے۔ کچھ دنوں بعد خود بخود کمی پیدا ہو جائیگی۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ جیلوں کے اندر کی موجودہ حالت ہر طرح قابل اصلاح ہے اگر زندگی مجھے موقع دے تو اصلاحات جیل پر مستقل ایک کتاب لکھوں اور حکومت کو نیک نیتی کے ساتھ مشورہ دوں کہ وہ انسانیت کے نام پر اصلاحات جیل کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اس مسئلہ میں میں اپنی قومی حکومت (کانگرسی حکومت) کو مستحق مبارک باد سمجھتا ہوں کہ اُسنے اپنے اثر و اختیار کے اندر جیل کے اندرونی حالات کی اصلاح کی جانب توجہ کی ہے۔ اور اگر اسکی زندگی ابھی اور ہے تو مجھے پورا یقین ہے کہ وہ بہتیرے قابل شکایات حالات کی جو جیلوں کے اندر آئے دن ہوتے رہتے ہیں اصلاح کر دے گی بہر حال اذان کے متعلق بھی میں نے اُسکے ہر پہلو کو سامنے لا دیا ہے اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے مجھے یہ کہنا چاہیئے کہ جیلوں میں مسلمانوں کو نماز اور نماز باجماعت کی پابند ہونے کی سخت نگرانی کرنی چاہیئے۔ جسطرح جیل ڈسپلن کی مختلف موقعوں پر اُسکی پابندی لازمی ہے اسی طرح نماز باجماعت بھی لازمی قرار دیجائے۔ اور مسلمانوں کو رخصت دیجائے کہ وہ اپنی جماعت اوقات مقررہ پر قائم کر لیا کریں۔ ہمیں حکومت کی مجبوریوں کا بھی احساس ہے۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان مختلف مذاہب کا مجموعہ ہے۔ اور ہر کے مذہبی ارکان جداگانہ ہیں۔ لیکن مجھے پورا یقین ہے

ہے کہ حکومت کی نظر آج تک اسباب جرم پر نہیں پہنچی ہے۔ ورنہ اصلاح کچھ بھی مشکل نہ تھی۔ میرا خیال ہے کہ جرائم کے دو ہی سب سے بڑے اسباب ہو سکتے ہیں۔ اولاً یہ کہ فقر و فاقہ اور عام بے روزگاری۔ دوسرے مذہب کی اصلی روحانیت سے محرومی۔ اگر میرا خیال صحیح ہے تو جیل کے اندر جن سختیوں کا اہتمام ہے۔ اس کے بدلہ میں اگر اُنہیں کسی ایسی صنعت و حرفت کی تعلیم دیجا ئے جس سے وہ جیل سے باہر آ کر اپنا پیٹ بھر سکیں تو جرائم میں خود بخود کمی پیدا ہو جائے۔ اور حکومت کا اصلی مقصد بھی پورا ہو۔ دوسرے ایسے لوگ جو مذہبی قوانین سے ناواقف ہوں اور جنکو کسی جرم کے کرنے میں مذہب کا خوف نہ پیدا ہو اُن پر جیلوں کے اندر مذہبی تبلیغ کی جائے اور یہ بتایا جائے کہ جو جرم کر کے وہ جیل کی سزا بھگت رہے ہیں اس جرم کے متعلق ان کے مذہب کا کیا حکم ہے۔ اگر ان پر مسلسل مذہبی تبلیغ ہو تو مذہب کی روشنی اُنہیں تاریکی سے نکال لے۔ اور اس کے بعد ان کے دلوں میں مذہب کی عظمت اور گرویدگی پیدا ہو۔ اور دوسری جانب وہ آئندہ کسی اخلاقی جرم کے ارتکاب سے تھرا اٹھیں ان صورتوں کے اختیار کرنے میں حکومت کو کسی تردد کا سامنا یا مصارف کا بار نہیں لینا پڑے گا۔ بلکہ جیلوں پر اب تک جتنی کثیر رقم اُ ــــــ

ضمیمہ

میری ناتجربہ کاری نے میری اس خواہش کو پوری نہ ہونے دیا کہ کتاب "رُوحِ اسلام" ہر طرح کی غلطیوں سے پاک اور محفوظ رہے۔ نہ مجھسے کوئی صاف و صریح غلطی ہو اور نہ کاتب صاحب اپنی عادت اور نظر کی چوک سے کام لیں۔ لیکن میں کیا اور میری خواہش کیا! ہوا وہی جو سب سے مضبوط طاقت والے کے ارادہ میں تھا۔ کاپی لکھی بھی گئی۔ میرا مسودہ ایک دوسرے صاحب کو صاف لکھنے کے لئے دیا بھی گیا، میں نے کتابت کے بعد غور سے دیکھنے کی کوشش بھی کی، مگر مشیت کچھ اور تھی، یہ کتاب جیسی چھپنی چاہیئے تھی نہ چھپ سکی۔ مجھے اقرار کرنا چاہیے کہ میں نے غلط اعتماد، اور ضرورت سے زیادہ بھروسہ، کسی حد تک کاہلی اور بے پرواہی کا ارتکاب جرم کیا۔ اور اسکی سزا غریب کتاب کو ندامت کی شکل میں بھگتنی پڑ رہی ہے۔ آپ مشکل سے یقین کریں گے کہ کاپی دیکھنے والوں میں اکیلے میری آنکھ نہ تھی۔ بلکہ دو چار اور بھی آنکھیں تھیں۔ بہرحال اگر اس قصور کو تین حصوں میں آپ بانٹ سکیں تو مجھے اقرار ہے کہ پھر بھی سب سے بڑا مجرم تو میں خود ہوں۔ اس کے بعد مسودہ کو صاف کرنے والے صاحب ہیں، اور تیسری ذات کاتب صاحب کی ہے، یہ کچھ ان ہونی سی بات ہے کہ

کہ صرف مذہب کے نام پر اذان کی اجازت ہندوستان کے تمام مختلف المذاہب، وعقیدہ والوں سے مل جائیگی۔ اور حکومت کو اس کے لئے کسی پریشانی سے سامنا نہ کرنا پڑیگا۔

میں مشکور ہوں اپنے محترم عزیز مولوی سید امیر الحسن سلمہ اللہ تعالیٰ مالک برقی مشین پریس کا کہ انہوں نے اس کتاب کے چھاپنے میں ایثار و قربانی سے کام لیا۔ آنریبل بابو جگ لال چودھری کی دی ہوئی رقم طباعت و کتابت کیلئے کافی نہ تھی۔ اور جب یہ کتاب چھپنے کے قریب تھی تو ایک طرف کانگریسی وزارت مستعفی ہوگئی۔ اور دوسری جانب یکایک جنگ کے چھڑ جانیکی بدولت کاغذ و روشنائی اور ہر چیز کی قیمتوں میں دونی سے بھی زیادہ اضافہ ہوگیا۔ لیکن ہمارے عزیز نے اِسکی پرواہ کئے بغیر کتاب چھاپ کردیدی۔ مجھے اسکی پہلے سے کوئی اطلاع نہ تھی میں انہیں مالی نقصان سے سبکدوش ہونیکی کوشش تو کروں گا لیکن اس وقت اپنے عزیز کا شکریہ اور بیحد شکریہ بھی ادا کرنا میرا اخلاقی فرض ہے اسی طرح میں اس پر بھی افسوس کئے بغیر نہیں رہسکتا کہ یہ کتاب اس وقت چھپ کر تیار ہوئی۔ جب قومی حکومت میں افسوسناک تبدیلی پیدا ہوگئی اور میری کتاب بابو جگ لال چودھری صاحب کے ہاتھوں تک وہ رونمائی ثبت میں نہ پہنچ سکی جسکی انہیں بیحد مسرت پیدا ہوتی۔

گوارہ فرمائی ہے اور اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھ بھی لیا ہے۔
لیکن اپنے آپ کو سب سے زیادہ زیر بار احسان مولانا عبدالماجد دریابادی ہی کا پاتا ہوں۔ جن بزرگوں نے اس کتاب پر اپنی اپنی رائیں ظاہر فرمائی ہیں اُن میں حضرت مولانا خواجہ عبدالحی پروفیسر شعبہ دینیات جامعہ ملیہ دہلی، مولانا الحاج عبدالماجد دریابادی اڈیٹر صدق۔ مولانا الحاج حکیم عبدالخبیر رئیس جماعت اہلحدیث صادقپور مولانا عبدالصمد رحمانی۔ ناظم امارت شرعیہ صوبہ بہار، مولانا سید دیانت حسین سینیر مدرس دینیات مدرسہ شمس الہدی پٹنہ، مولوی سید سلطان احمد اڈیٹر اتحاد پٹنہ، کی محترم ہستیاں قابل ذکر ہیں انکی رائیں کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ مولانا عبدالماجد صاحب نے اپنی تحریر میں کچھ غلطیوں کی جانب بھی اشارہ فرمایا ہے، جسے میں نے بربنائے خلوص عقیدت اپنے لئے تنبیہ سے منسوب کیا ہے انکی تفصیل یہ ہے پہلی غلطی روزہ کے سلسلہ کی آیت کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَام کتاب کے صفحہ ۱۱ پر ترجمہ کے سلسلہ میں ظاہر فرمائی گئی ہے۔ غالباً مولانا کی غرض یہ ہے کہ کتب کا ترجمہ علی ہوتے ہوئے بھی لکھدیا گیا، کیوں ہوگا۔ "فرض کردیا گیا" کیوں نہ ہوگا اگرچہ میرے لفظی ترجمہ کا مطلب بھی وہی ہے جو مولانا کا خیال ہے لیکن بظاہر زور کی شاید کمی نظر آتی ہو، گو اردو زبان میں علی کیطرح "دیا" کو بھی وہ ہی معنی پیدا کرنا چاہئے۔ اس کتاب کے صفحہ ۹ پر اسی آیت کا ترجمہ میں نے "لازم کیا گیا تم پر بھی روزہ اسی طرح جسطرح تمہارے اگلوں پر" کیا ہے

کتاب یا کسی مضمون کا لکھنے والا لکھتے ہی وقت مضمون کا بھی خیال رکھے اور عبارت کی صوری و معنوی خوبیوں کو بھی دیکھتا چلا جائے۔ اگر یہ ممکن ہو تو آپ اُسے مسودہ ہی کیوں کہیں؟ اس کا وقت تو وہ ہونا چاہیئے جب آپ اُسے دوبارہ لکھنے بیٹھ جائیں۔ میرے جُرم کی ابتدا بھی یہیں سے ہوتی ہے خود دوبارہ لکھنے کی کوشش بھی نہ کی اور دوسروں کے حوالہ بھی کر دیا۔ کتابت کے بعد پروف کی چند کاپیاں مجھے بھیجدی گئیں۔ میں نے کچھ بھی پرواہ کئے بغیر تقسیم بھی شروع کر دی۔ پہلی کاپی علماء جامعہ ملیہ دہلی کی خدمت میں اور دوسری کاپی اپنے محترم دوست و بزرگ مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی اڈیٹر صدق کی خدمت میں روانہ کر دی۔ اور تیسری کاپی مقامی علماء کی خدمت میں گشت کرتی رہی۔ اور یہاں پریس نے بلا انتظار یکایک سارا قصہ ہی پاک کر دیا گیا۔ جب تمام جگہوں سے رائیں آنے لگیں۔ تو مجھے احساس ہوا کہ کتاب میں چند جگہ قابل خیال غلطیاں رہ گئیں ہیں۔ جنکی اصلاح کیلئے اگر کوئی بھی صورت باقی نہ رہ گئی ہو تو ضمیمہ چھاپ کر اسی طور سے انکی اصلاح کر دیجائے۔

میں مولانا عبدالماجد دریا بادی کا کن لفظوں میں شکریہ ادا کروں، جنہوں نے کتاب کی ظاہری اور باطنی تمام کیفیتوں کا جائزہ لیا۔ خوبیوں کی تعریف اور غلطیوں پر میری تنبیہ بھی فرمائی۔ یوں تو میں ان تمام بزرگوں کا دل سے مشکور ہوں جنہوں نے میری کتاب پر اظہار خیال کی زحمت

ابراہیم اور سیدنا اسمٰعیل علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی ذات گرامی عرب کی جس نو آباد جماعت میں تھی۔ یا جن پر ان دونوں مقدس ہستیوں کی تبلیغ ہوتی رہی وہ بذات خود عرب قوم کب تھی؟ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انکی تعلیم و تبلیغ کا اثر کتنے دنوں اُن پر یا انکی نسل پر قائم رہ سکا۔ اگر بعد کے عرب تعلیم ابراہیمی کو محفوظ ہی رکھتے تو پھر ان میں اتنی شدت کیسا تھ بداخلاقی اور ساری بداخلاقیوں کی ماں بت پرستی ہی کیوں آجاتی۔ اب رہا لفظ اُمّی کا ترجمہ میں نے جاہل کیا ہے۔ مولٰنا کو یہ بھی ناپسند ہے۔ غالباً مولانا کی خواہش ہے کہ مجھے "جاہل" کی بجائے "اَن پڑھ" ترجمہ کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ جاہل اور اَن پڑھ میں معنٰی اور مطلب کا تھوڑا سا فرق ہے۔ مجھے عرض کرنا ہے کہ بیشک جاہل وہ ہے جو حق و صداقت کو جان کر بھی اس سے انکار کرے یا ان کا مذاق اُڑائے، جیسا کہ قرآن میں حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السّلام نے بنی اسرائیل کی شرارتوں کو دیکھ فرمایا اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْجَاھِلِیْن۔ اور اَن پڑھ کے غالباً صاف معنٰی یہ ہیں کہ کسی حق و صداقت کا سرے سے اُسے کوئی علم ہی نہ ہو۔ یا دُنیا کے رواج کے مطابق لکھنا پڑھنا بھی نہ جانتا ہو دیکھنا یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب قوم ان دو تعریفوں میں کس تعریف کے اندر اترتی ہے۔ مَیں نے جس آیۃ کو اس سلسلہ میں لکھا ہے وہ سورۂ

اس ترجمہ میں علیکم کا ترجمہ بھی شامل ہے۔ جو صفحہ ۱۱ پر غلطی سے چھوٹ گیا ہے
ناظرین اس کو غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

بہر حال میں ناظرین سے درخواست کرتا ہوں کہ کتاب پڑھتے وقت
کتاب کے صفحہ ۱۱ کی اخیر والی آیت کے ترجمہ میں "لکھدیا گیا" کے بجائے "فرض کردیا گیا"
پڑھیں۔

دوسری چوک صفحہ ۱۳۱ پر ہے جہاں میں نے اسلام سے پہلے عربوں کی
تصویر پیش کی ہے اور اسی کے سلسلہ میں آیت ھو الذی بعث فی الامیین
رسولا منھم کا ترجمہ کیا ہے۔ مولانا کا غالباً خیال ہے کہ وہ کریہہ تصویر
عام عربوں کی ہے۔ شاید ان میں بالعموم ایسا نہ ہو۔ کیونکہ "عیبہا جملہ بگفتی
ہنرش نیز بگو" کو بھی نہ بھولنا چاہئے، اور یہ کہ آخر ان ہی میں حضرت سیدنا
ابراہیم خلیل اللہ اور سیدنا اسمٰعیل ذبیح اللہ بھی تشریف فرما تھے۔ ان کی
مقدس تعلیموں کا کچھ نہ کچھ اثر موجود ہونا چاہئے۔ غالباً مولانا کا یہی خیال تھا۔
جس کو صاف لفظوں میں نہیں اشارتاً ظاہر فرمایا گیا ہے۔ میں نہایت ادب کے ساتھ
مولانا کے خدمت میں عرض کروں گا۔ جو خوبیاں بظاہر ان میں نظر بھی آتی ہیں،
وہ اُن کی برائیوں کی کثرت کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتیں۔ مہمان نوازی
یا ایفائے وعدہ وغیرہ جیسی خوبیوں سے مجھے انکار نہیں۔ لیکن دوسری تمام
بربریت اور بداخلاقیوں کو سامنے رکھتے ہوئے۔ میں پھر کہوں گا کہ انکی
جہالت ہی بہت زیادہ نمایاں معلوم ہوتی ہے۔ دوسری چیز سیدنا

اَن پڑھ تھے۔ لیکن دوسری جماعت جو اپنی ضد پر قائم تھی حقیقت کو دیکھتی اور سمجھتی بھی تھی مگر سیدھی اور صاف راہ اختیار کرنے کو تیار نہیں ہوتی تھی جن میں اکثر پڑھے لکھے بھی تھے۔ اُسے تو بہر حال جب تک اپنی کج روی اور کھلی گمراہی میں مبتلا رہی "جاہل" ہی کہنا درست ہوگا۔ اور ایسوں ہی کی تعداد غالباً زیادہ تھی۔ اب رہا خود سرکارؐ دو عالم کی ذات گرامی تو حضور اقدس کو بظاہر ان پڑھ ہوتے ہوئے بھی پہلی وحی کی پہلی ہی آیت میں اقراء کا حکم دیا جانا دلیل ہے اس بات کی کہ حضور کی فطرت مقدس اَن پڑھوں سے دور جُدا اور الگ تھی۔ اور ہمارے مولیٰ اور ولی نعمت روحی لہ الفداء کو آسمانی تعلیمگاہ ازل سے ہی ایسی روحانی تعلیم دی جا چکی تھی۔ جسکے بعد خود اس ذات والا صفات پر ان پڑھوں کا اطلاق نہیں ہو سکتا تھا، سچ ہے ؎

نگار ما کہ بہ مکتب نہ رفت و خط نہ نوشت

بہ غمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

پھر بھی میں مولانا کی خاطر کچھ مضایقہ نہیں سمجھتا کہ "اُمّی" کا ترجمہ "جاہل" کے بجائے "اَن پڑھ" ہی کیا جائے۔ یہ بھی ہمارے ولی نعمت رحمۃ للعالمین کا معجزہ ہے کہ اُسی کے طفیل میں اسکی وہ قوم جو حق و صداقت کی منکر، تبلیغ و ہدایت کی دشمن اور خود اسکی مقدس جان کی خواہاں تو تھی۔ مگر اُسکی قوم ہونے کی سبب کر آج جاہل کہلانے سے بچی جا رہی ہے۔ ؎

دل فدائے تو یا رسول اللہ + جان گدائے تو یا رسول اللہ

جمعہ کی ابتدائی آیتوں کا ایک ٹکڑا ہے۔ سورۂ جمعہ اسوقت نازل ہوئی ہے جب سرکار دو عالم کی تبلیغ عام ہو چکی تھی، مکہ سے باہر بھی دین کی آواز اور توحید کی گرج سُنی جا چکی تھی۔ سرکار کے بہتیرے ماننے والے غلام اس صدائے حق پر لبیک کہہ چکے تھے۔ مگر شریروں اور خبیث نفسوں میں قبولیت حق کی صلاحیت ہی پیدا نہیں ہوتی تھی۔ اسکے بعد ہی یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جن لوگوں نے حق و صداقت کی سیکڑوں دلیلیں سُن لی دیکھ لیں، پھر بھی اُسے قبول نہیں کیا انہیں تو آپ بھی اصلی معنوں میں جاہل ہی کہیں گے۔ اسلئے میرا ترجمہ واقعات اور حالات کی بنا پر اپنی جگہ پر ٹھیک ہی نظر آتا ہے۔ دوسری چیز تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ عربوں میں مجموعی حیثیت سے لکھنے پڑھنے کا رواج نہ بھی ہو مگر اکثریت پڑھے لکھوں کی تھی۔ کچھ لوگ توریت انجیل کا ترجمہ لکھتے اپنے پاس رکھتے اور اُسے کبھی کبھی پڑھ بھی لیا کرتے تھے۔ صحابہؓ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو بالعموم لکھے پڑھے لوگ تھے ان میں کاتبین وحی بھی تھے۔ کاتبین فرامین بھی تھے۔ اسلام کے آجانے کے بعد یہ کہنا چاہیئے کہ عرب قوم دو حصوں میں تقسیم ہو گئی، ایک وہ خوش نصیب جماعت تھی جو خدائی آواز پر بلا حجت یا تھوڑا سا غور کے بعد لبیک کہہ اٹھی اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔ اور دوسری اپنی سابقہ کورہ بختی پر ڈٹی رہی، اسلام قبول کرنے والوں کو کسی طرح جاہل نہیں کہا جا سکتا۔ اور نہ وہ

علمائے کرام و اکابرینِ ملت کی اس کتاب کے متعلق

رائیں

حضرت مولانا خواجہ عبدالحی پروفیسر شعبہ دینیات جامعہ ملیہ دہلی:۔

میں نے اس کتاب کو بہت ہی شوق سے پڑھا، محنت اور کاوش سے لکھی گئی ہے۔ اگرچہ بظاہر اس کا نام "جیل و اذان" ہے مگر دراصل مصنف محترم نے لطیف پیرائے میں اسلام کے تمام ارکان کا فلسفہ بیان کردیا ہے جو دل کی گہرائی تک پہونچ جاتا ہے۔ مولانا سید حسن آرزو صاحب کا اندازِ نگارش دلچسپ اور دل آویز اور بصیرت افروز ہے۔ ہندوستان میں صدیوں سے مسلمان اور ہندو ایک ساتھ رہتے ہیں۔ مگر کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ ایک دوسرے کی تہذیب شائستگی، تمدن حضارت اور دین و ملت سے حد درجہ اجنبیت اور بیگانگی ہے ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ کاش دردمند دِل اس طرف متوجہ ہوتے اور اس خلیج کو پاٹنے کے اسباب پر غور کرتے اللہ تعالیٰ مصنف موصوف کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ اور انکے قلم میں اور زور پیدا کرے۔ تاکہ وہ ملک و ملت کی زیادہ سے زیادہ خدمت انجام دے سکیں۔

(مولانا خواجہ) عبدالحی

فارغ از ابتلائے کونین است + مبتلا ئے تو یا رسول اللہ
صلی اللہ علیک و علی الک یا رسول اللہ

اَب رہا میری کتاب کے اندر دو جگہ تذکیر و تانیث کی ایسی غلطی ہے جن کی اصلاح کچھ اتنا زیادہ ضروری نہیں ہے 'کی' کے بجائے 'کے' لکھدیا جانا ایک بہاری کاتب سے یقیناً قابل معافی ہے۔ ہاں ایک لفظ کے ترکیب و تحریر کی اصلاح ضروری ہے اور وہ صفحہ ۲۸ کی پہلی سطر میں لفظ "جہاد" کے بعد "جہاد بالسیف" ہے جو معلوم نہیں ی اور الف زائد کے ساتھ کیوں کر لکھا گیا ہے حالانکہ "بالسیف" یوں ہونا چاہیے۔ کتاب میں تین ۳ جگہ عبارت بھی کچھ کچھ اڑ گئی ہے کہا جاتا ہے کہ وہ پتھر کے چھاپنے والے کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ ناظرین صفحہ ۲ سطر ۴ میں "کی پوری آئینہ دار ہے"۔ صفحہ ۲ سطر ۲ "سیاست" ہے صفحہ ۴ سطر ۲ "کھیل کر رہیں تلواریں" اصلاح فرمالیں۔ ص۵ سطر ۱۱ "نند" ہے

ان چند ملکی غلطیوں کے علاوہ اگر کہیں کوئی غلطی اور بھی نظر آئے تو میں ناظرین کتاب سے مودبانہ عرض کرونگا کہ وہ مجھے مطلع کریں، خیال ہے کہ میں اس کتاب کو آئندہ اچھی معلومات کے اضافہ کے ساتھ دوبارہ شایع کروں۔ تو اسوقت اسکی پوری پوری اصلاح ہوجائے مگر یہ تو اُسی وقت ممکن ہے کہ اس کتاب کی قدر بھی کی جائے۔ ورنہ اچھا یا بُرا جو کچھ ہوسکا ناظرین کے سامنے پیش ہی کر رہا ہوں۔ وَالسَّلام

خاکسار حسن آرزو

یہ واقعیت سے دور ہے اور اسکی جھلک آیت ھوالذی بعث فی الامیین کے ترجمہ میں بھی نظر آتی ہے۔ لفظی مسامحات کی تصریح کی چنداں ضرورت نہیں۔ اِسے مصنف ہی کی خوش نیتی کی کرامت سمجھئے کہ ایسی خالص مذہبی کتاب اور پچھڑے صوبہ کی روشن خیال غیر مذہبی حکومت کے سرپرستی میں۔

(مولانا) عبد الماجد دریاباد ضلع بارہ بنکی (۲۲ اگست ۱۹۴۰ء)

مولانا الحاج حکیم عبد الخبیر صاحب، رئیس جماعت اہل حدیث صادقپور پٹنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

آج بتاریخ ۲۰ رجب ۱۳۵۹ھ جناب مولوی سید حسن آرزو صاحب تشریف لائے اور اپنی تصنیف کردہ کتاب "روح اسلام" یا "جیل و اذان" از اول تا آخر پڑھکر سنایا۔ اور ہم توجہ کے ساتھ اسکو سنتے رہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مصنف نے جو محنت کی ہے ہر طرح قابل داد ہے۔ گو اس رسالہ کو لکھنے کی وجہ تو ایک خاص معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ارکان و اسلام کی توضیح جس حکیمانہ انداز پر کی گئی ہے وہ بذات خود بھی ایک اہمیت رکھتی ہے۔ ایسے اور بھی معاملات ہیں، جنکو مسلم یا غیر مسلم اسلام سے متعلق تو سمجھتے ہیں۔ لیکن ان معاملات کی

مولانا الحاج عبدالماجد دریابادی اڈیٹر صدق

کتاب "روح اسلام" بسلسلہ "جیل و اذان" کا پروف مصنف کی عنایت اور حسن ظن سے قبل اشاعت ہی میری نظر سے گذر گیا، جتنا وقت اُسکے مطالعہ میں گذرا ضایع نہیں ہوا۔ کہنا چاہیے کہ عین عبادت ہی میں صرف ہوا ایک پرانی مثل چلی آتی ہے۔ ہرچہ بقامت کہتر بقیمت بہتر۔ یہ دُبلی پتلی منحنی سی کتاب یقیناً اپنی معنویت کے اعتبار سے بہت سی لحیم شحیم اور ضخیم کتابوں پر بھی بھاری ہے۔ آرزو صاحب ابتک محض ایک پرجوش قومی اور سیاسی کارکن کے حیثیت سے روشناش تھے۔ یہ آج معلوم ہوا کہ جہاں ہمت سپاہیانہ رکھتے ہیں۔ وہاں ماشاء اللہ نگاہ بھی حکیمانہ اور طبیعت بھی نکتہ رس پائی ہے۔ مسائل شرعیہ اور اصول دین کی تشریح و توضیح خوب خوب کی ہے۔

ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء

جابجا لفظ، عبارت اور کہیں کہیں مفہوم بھی نظر ثانی کا محتاج رہ گیا ہے۔ مثلاً صفحہ ۱۱ کے آخر میں کتب کا ترجمہ "فرض کردیا گیا" ہی ہونا چاہیئے۔ بعض الفاظ کا ترجمہ یہاں چھوٹ بھی گیا ہے صفحہ ۱۲ پر عربوں کے جاہل نامہذب وحشی ہونے کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے

اور فیض رساں ہوگی، اللہ تعالیٰ مصنف موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

(مولانا) سید دیانت حسین عفی عنہ

مولوی سید سلطان احمد اڈیٹر اتحاد پٹنہ

مولانا حسن آرزو کی تازہ تصنیف "روح اسلام" یا "جیل و اذان" قابل مصنف کے زور قلم کا تازہ شاہ کار ہے۔ جسمیں ارکان اسلام پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ خصوصاً مسئلہ اذان اور نماز کے متعلق ایک نئے انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ بیان پر کیف عبارت بہت دلچسپ ہے۔

سلطان احمد (اڈیٹر اتحاد پٹنہ)

۲۵ر اگست ۱۹۴۰ء

اہمیت اسلام میں کیسی ہے خود مسلمان بھی اکثر اسکو کماحقہ نہیں سمجھتے ایسے ماحول میں کہ جب خود مسلمان ہی اسلامی چیزوں کی اہمیت کو کم سمجھ رہے ہوں مصنف نے ارکان اسلام بالخصوص اذان کی اہمیت کو سمجھانے کی کوشش کی یقینی یہ محنت قابل ستایش ہے۔ اللہ پاک لایق مصنف کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ مسلمانوں سے میری استدعا ہے کہ اس کتاب کو غور سے پڑھیں۔

(مولانا) عبدالخبیر

مولانا دیانت حسین سینیر مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ

ہمارے قدیم محترم دوست مولانا سید حسن آرزو صاحب کیسی قسم کی تعارف کے محتاج نہیں ہیں، آپ کی قومی اور ملی خدمات کے کارناموں سے صوبہ بہار ہی نہیں۔ بلکہ اس سے بھی باہر کے لوگ اچھی طرح واقف ہیں۔ ممدوح نے ابھی ایک تازہ تصنیف "روح اسلام" کو اشاعت فرماکر مسلم خوابیدہ کو بیدار کرنا چاہا ہے۔ آپنے اسلامی تعلیمات فرایض ارکان عبادات اخلاقیات کو فلسفیانہ رنگ اور دلچسپ عبارات میں بیان کرکے کتابکے معیار کو بہت اعلیٰ کردیا ہے۔ جس کو پڑھکر قلب مسلم میں بے ساختہ ایک ولولہ اور جوش مذہبی پیدا ہوتا ہے۔ یہ کتاب موجودہ دور میں نہایت مفید اور کارآمد ہوگی۔ خصوصًا انگریزی دان طبقے کے واسطے بے حد نفع بخش

مولانا عبد الصمد رحمانی ناظم امارت شرعیہ صوبہ بہار

مولانا سید شاہ حسن آرزو صاحب پھلواری شریف کی تصنیف "رو جیل واذان" گرچہ ۶۲ صفحات کی چھوٹی تقطیع پر مختصر رسالہ ہے۔ مگر اپنے معنوی خصوصیات کے اعتبار سے اسلامی تعلیمات پر ایک اچھا خاصہ تبصرہ ہے۔ ارکان اسلام، عبادات اسلام، خصوصًا اذان و نماز کی بحث جس انداز سے جناب شاہ صاحب موصوف نے لکھا ہے۔ وہ ان کے قلم کی خصوصیات سے ہے، مولانا موصوف کی ذات بہار میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ اور ان کی یہ تصنیف اپنے اس انتساب سے اسقدر رفیع و بلند درجہ میں ہے جو محتاج تبصرہ نہیں ہے۔ ہم اُردو داں حضرات سے عمومًا اور مذہب سے ذوق رکھنے والے اور فلسفہ اسلامی کے شائقین سے خصوصًا اپیل کرینگے کہ وہ ضرور اسکا مطالعہ کریں۔ اللہ تعالیٰ شاہ صاحب موصوف کو جزاء خیر دے کہ آپکے ذریعہ ایک بہترین تصنیف کا اُردو میں اضافہ ہو گیا۔

عبد الصمد رحمانی
ناظم امارت شرعیہ۔ صوبہ بہار

